مولا حسنؑ

سوانح حیات

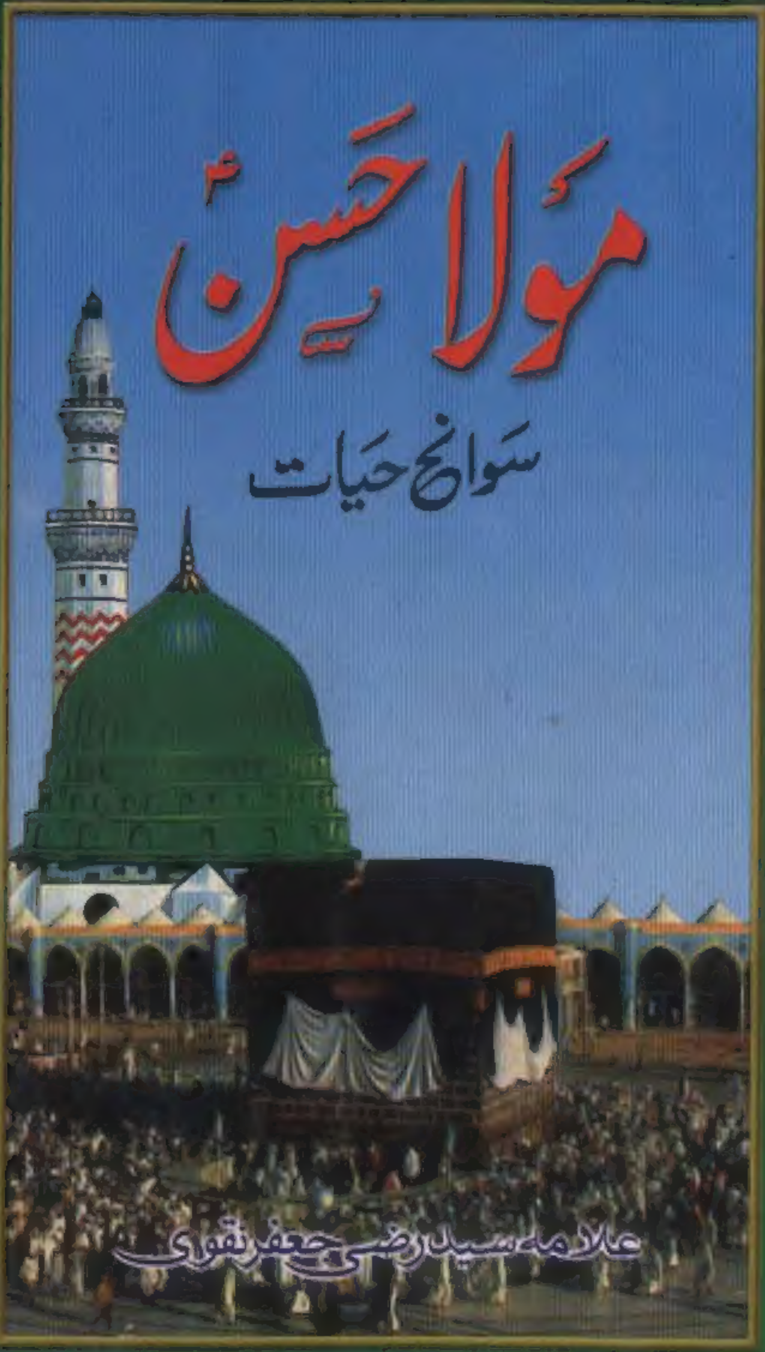

علامہ سید رضی جعفر نقوی

(۷۸۶/۱۱۰)

مولائے کائنات

ابوالائمہ حضرت امام **علی** ابن ابی طالب علیہ السلام

کی مناجاتوں میں سے ایک مناجات

إلٰهي كفىٰ بي عزًّا أن أكون لك عبدًا وكفىٰ بي فخرًا أن تكون لي ربًّا أنت كما أحبّ فاجعلني كما تحبّ

میرے اللہ میری عزت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے۔ تو ویسا ہی ہے جیسا میں چاہتا ہوں، پس تو مجھ کو ویسا بنا لے جیسا تو چاہتا ہے۔

اشتراک:
IDAARA-E-TARVEEJ-E-SOAZKHWANI
ادارۂ ترویجِ سوز خوانی
Post Box No. 10979, Karachi-74700

امام حسنؑ ابنِ علیؑ

سوانح حیات

علامہ سید رضی جعفر نقوی

جو اپنے بچوں کیلئے الیکٹرونک کاپیاں ہوئی
دیار غیر میں رہتے ہیں
طالب دعا
سید انوار عباس

عصمۃ پبلیکیشنز
پی-او باکس نمبر- 18168 کراچی 74700 پاکستان

○ جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں ○

نام کتاب	:	مولا حسنؑ سلام اللہ علیہ
مؤلف	:	علامہ سید رضی جعفر نقوی
ناشر	:	عصمہ پبلیکیشنز کراچی
تعداد اشاعت	:	500
تاریخ اشاعت	:	اگست سنہ ۲۰۰۲ء
طباعت	:	عاصم پرنٹنگ ناظم آباد نمبر ۲ کراچی
سیریل پبلکیشن ایڈیشن	:	پہلا ایڈیشن
ھدیہ	:	[redacted] روپیہ
مشیر قانون	:	پروفیسر سید سبط جعفر زیدی ایڈوکیٹ
		جناب سشبر رضوی ایڈوکیٹ (ہائی کورٹ)
سرورق (ٹائٹل ڈیزائننگ)	:	سید امتیاز عباس

اسٹاکسٹ

افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ کرشن نگر۔ لاہور
منہاج الصالحین غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور
مکتبۃ الرضا۔ ۸ بیسمنٹ میاں مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور
کریم پبلیکیشنز سمیع سینٹر اردو بازار لاہور
کتب الحسین اوان شہر ابدالی روڈ ملتان
سید محمد ثقلین کاظمی جی 6/2۔ اسلام آباد
محمد علی بک ڈپو۔ G-9/2 کراچی کمپنی۔ اسلام آباد
سورے بکس لائبریری اینڈ اسٹیشنرز۔ سکردو۔ بلتستان
عباس بک ایجنسی۔ رستم نگر۔ لکھنؤ
حسن علی بک ڈپو۔ کھارادر۔ کراچی
رحمت اللہ بک ایجنسی کھارادر۔ کراچی
محفوظ بک ایجنسی۔ مارٹن روڈ۔ کراچی
خراسان بک سینٹر بریٹو روڈ۔ کراچی
احمد بک ڈپو۔ رضویہ سوسائٹی کراچی
انجم پبلیکیشنز بریٹو روڈ کراچی
جمیل تبرکات سینٹر بریٹو روڈ کراچی
احمد تبرکات سینٹر انچولی کراچی
مکتبہ علویہ مرکز تبرکات وظائف رضویہ سوسائٹی کراچی

فہرستِ مضامین

تمہید
آغازِ کلام
ولادتِ باسعادت
قرآن کریم اور مدحِ مجتبیٰؑ
عالمِ اسلام کی گواہی
حضورِ اکرمؐ کی اپنے نواسوں سے محبت
خلقِ حسن
عبادت
مکارمِ اخلاق
معجزات
زہد و پارسائی
شجاعت و بہادری
آپؑ کا جود و کرم
علم
معاہدۂ صلح
آپؑ کے خطبات

ادعیہ و زیارات

گوہر یگانہ

امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی اعلی اللہ مقامہ

عصمت پبلیکیشنز
پی۔ او باکس نمبر۔ 18168 کراچی 74700 پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا اَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَاللَّعْنَةُ عَلٰى اَعْدَائِهِمْ اَجْمَعِيْنَ

تاجدارِ امامت، سردارِ جوانانِ جنت، سبطِ اکبر، امامِ مسموم، حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام جن کی ولادتِ باسعادت : ۱۵ رمضان اور شہادت : مشہور قول کے مطابق ۲۸ صفر کو ہے۔

جو خاتم الانبیاء، سردارِ دوجہاں، باعثِ تخلیقِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخِ وفات بھی ہے۔

آپ کے بارے میں فریقین کے راویانِ حدیث نے تحریر فرمایا ہے کہ:
حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ سے اتنی محبت تھی کہ:
بار بار گود میں اٹھا کر پیار کرتے، دیر تک آپ کے لب و رخسار کا بوسہ لیتے رہتے اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر عرض کرتے تھے کہ:

"پالنے والے میں اس بچے سے بھی محبت کرتا ہوں اور جو شخص اس بچے سے محبت کرے، اُس سے بھی محبت کرتا ہوں۔"

(منتہی الآمال جلد ۱ صفحہ ۲۱)

اور اس مفہوم کی دیگر بکثرت روایتیں برادرانِ اہلسنت کی نہایت

معتبر کتابوں، صحاحِ ستہ، مسندِ امام احمد بن حنبل، مستدرک امام حاکم، تاریخ کامل، تاریخِ خمیس، اسد الغابہ، استیعاب، اصابہ وغیرہ..... اور ہماری مشہور و معروف کتابوں، کافی، تہذیب، عیون الاخبار، بحار الانوار، الارشاد، سفینۃ البحار، الفوائد الرضویہ، مناقب ابن شہر آشوب، روضۃ الواعظین امالی شیخ طوسی، امالی شیخ مفید، امالی سید مرتضیٰ وغیرہ میں بھی موجود ہیں، جن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کردہ اُن فضائل و کمالات کا تذکرہ ہے جو پروردگارِ عالم نے اس عظیم المرتبت نواسۂ رسولؐ کو عطا فرمائے ہیں۔

اور حضورِ اکرمؐ نے تو اُن حالات کی پیشین گوئی بھی فرما دی تھی جو امام حسنِ مجتبیٰؑ کو اپنی زندگی میں پیش آنے والے تھے۔

۵

"حلیۃ الاولیاء" میں ابو نعیم سے منقول ہے کہ:

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مشغول ہوتے اور آپ کے کمسن نواسے (حضرت امام حسنؑ) آپ کے پاس آتے، پھر جب رسولِ مقبولؐ سجدے میں جاتے تو (آنحضرتؐ سجدے کو اتنا طول دیتے کہ شہزادہ خود ہی اُتر جائے اور جب اُنہیں اپنی پشت سے اتارتے تو نہایت نرمی اور ملائمت کے ساتھ!۔

اور کبھی کبھار نمازیوں میں سے کچھ لوگ یہ کہہ دیتے کہ:

"اے خدا کے رسولؐ!۔ آپ اس بچے کو جس طرح پیار کر رہے ہیں، اُس طرح تو آپ نے کبھی کسی بچے کو پیار نہیں کیا۔؟

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ:

"یہ میری زندگی کی خوشبو اور میرے چمنِ حیات کا پھول ہے، میرا یہ فرزند سید و سردار ہے اور پروردگارِ عالم میرے اس فرزند کے ذریعہ سے دو گروہوں کے درمیان صُلح کرا دے گا"

جو اس بات کا واضح اعلان تھا کہ: آپ صُلح کے علمبردار ہوں گے اور جس طرح حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "حدیبیہ" کے موقع پر، دین کی بقاء کے لئے کفار و مشرکین سے صُلح فرمائی۔ اُسی طرح آپ کے جانشینِ برحق اور نُورِ نظر، حضرت امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام، دین کی بقاء کی خاطر، باغیوں اور منافقین سے صُلح فرمائیں گے۔

۶

اسی طرح ایک اور موقع پر حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا

حسنؑ و حسینؑ دونوں امام ہیں، (چاہے) قیام کریں یا بیٹھ جائیں ——— متفق بین الفریقین)

اس حدیثِ مبارک میں ایک طرف سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے اقدام کی نشاندہی کی گئی ہے تو دوسری طرف امام حسنِ مجتبیٰؑ کے معاہدۂ صلح اور جنگ بندی کی پیشین گوئی کر کے بنی نوعِ انسان کو عام طور سے، اور اُمتِ مسلمہ کو خاص طور سے توجہ دلائی کہ:

حضورِ اکرمؐ کے دونوں نواسوں کا اقدام رضائے پروردگار کے عین مطابق ہوگا۔ (لہٰذا دنیا والے نہ تو حضرت امام حسینؑ کے اقدام پر اعتراض کریں کہ انہوں نے مدینہ کیوں چھوڑا؟ اور جنگ کیوں قبول کی؟ اور نہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے اقدام پر

تنقید کریں کہ انھوں نے صُلح اور جنگ بندی کا معاہدہ کیوں کیا؟
کیوں کہ یہ دونوں ہی حضرت رسولِ خداؐ کے جانشین، شریعت کے پاسبان اور مشیتِ الٰہی کے رازداں ہیں، جس طرح حضرت رسولِ خداؐ نے کبھی اقدامِ جنگ فرمایا، اور کبھی معاہدۂ صلح پر دستخط فرمائے اسی طرح آپؐ کے دونوں نواسوں میں سے ایک نے جنگ کو قبول کیا اور دوسرے نے معاہدۂ صلح پر رضامندی کا اظہار کیا۔

ؤ

سردارِ جوانانِ جناں، وارثِ کتابِ خدا، نورِ نگاہِ خاتم الانبیاؐ، تاجدارِ ھَل اتیٰ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے پدرِ بزرگوار، امیر المومنین، امام المتقین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامِ وقت بھی تھے، اور خلیفۂ رسولؐ بھی۔

آپ نے منصبِ حکومت سنبھالنے کے بعد مسلمانوں کو امیرِ شام سے مقابلے کے لئے تیار کرنا چاہا —— لیکن اُس وقت کے مسلمانوں پر کچھ ایسی بے حسی کی کیفیت طاری تھی کہ وہ امام علیہ السلام سے صاف صاف کہتے تھے کہ: زندگی چاہے ذلت ہی کی کیوں نہ ہو، ہم بہر حال زندہ رہنا چاہتے ہیں، جنگ کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں۔

پھر جب امام علیہ السلام نے ایک طرف ساتھیوں کی ایسی بے وفائی دیکھی، اور دشمن کی طرف سے صلح پر اصرار دیکھا تو صُلح قبول فرمائی، لیکن وہ بھی اپنی شرائط پر!

(جس کی تفصیلات ہم کتاب کے اندرونی صفحات پر ذکر کریں گے۔
جس سے اندازہ ہو سکے کہ:
امام علیہ السلام نے جو صلح فرمائی وہ بھی فاتحانہ انداز سے

کیونکہ اگر دشمن کی شرطوں پر آپ نے جنگ بندی کا معاہدہ کیا ہوتا تو آپ کی حیثیت کچھ اور قرار پاتی، لیکن جب یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے دشمن کو اپنی شرائط کا پابند بنایا تو تمام صاحبانِ فکر و دانش اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ:

"شرائط وہ منواتا ہے جو صاحبِ اختیار ہو"

ؤ

زیرِ نظر کتاب میں، ہم کوشش کریں گے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی مختصر سوانحِ حیات پیش کریں، دشمن سے آپ نے جو "جنگ بندی" کا معاہدہ کیا اُس کی تفصیلات بھی رقم کریں —— اور آپ کے خطبات اور حکیمانہ ارشادات کو مع ترجمہ پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل کریں۔

ؤ

شیخ عبّاس قمی کی کتاب (منتہی الامال)
علّامہ مجلسی کی مشہور و معروف تالیف (بحار الانوار)
علّامہ ابن شہر آشوب کی کتاب (مناقب آلِ ابی طالبؑ)
برادرانِ اہلسنّت کی معتبر ترین کتابوں:
○ صحاح ستہ ○ مشہور تفاسیر
اور مستند تاریخی کتابوں کے حوالہ کے علاوہ قرآن مجید کی آیات، حدیثِ قدسی اور "کَلِمَۃُ الْاِمَامِ الْحَسَنؑ" کے اقتباسات سے بھی اس کتاب کو زینت دی گئی ہے، پاک پروردگار بتصدقِ آئمہ معصومینؑ اس خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

احقر: سیّد رضی جعفر نقوی (۲۸ صفر [illegible])

آغازِ کلام

ہم تیمناً و تبرکاً، گفتگو کا آغاز اُس فصیح و بلیغ خطبے سے کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جسے جناب علامہ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی شہر آشوب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

وَخَطَبَ الصَّاحِبُ فَقَالَ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی النِّعْمَةِ الْعُظْمٰی، وَالْمِنْحَةِ الْكُبْرٰی، الدَّاعِیْ اِلَی الطَّرِيْقَةِ الْمُثْلٰی، اَلْهَادِیْ اِلَی الْخَلِيْقَةِ الْحُسْنٰی اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی، وَقَدَّرَ فَهَدٰی، وَاَخْرَجَ الْمَرْعٰی، فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی، وَبَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ مِنْ مَنْصَبٍ مُجْتَبٰی، وَاَصْلٍ مُنْتَمٰی اَرْسَلَهٗ وَالنَّاسُ سُدًی يَتَرَدَّدُوْنَ بَيْنَ الضَّلَالَةِ وَالْعَمٰی، فَنَبَّهَ عَلٰی خَيْرِ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی لَمْ يَلْتَمِسْ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی، شَدَّ اَزْرَهٗ بِاَخِيْهِ الْمُرْتَضٰی وَسَيْفِهِ الْمُنْتَضٰی، وَمَنْ اَحَلَّهٗ مَحَلَّ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی۔

وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ شَهَادَةً تَبْلُغُ الْمَدٰی۔

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ خَيْرُ مَنْ اُرْسِلَ وَدَعَا وَاَفْضَلُ مَنِ ارْتَدٰی وَاحْتَذٰی ـ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهٖ شُمُوْسِ الضُّحٰی، وَاَقْمَارِ الدُّجٰی، وَشَجَرَةِ طُوْبٰی، سَفِيْنَةِ نُوْحٍ

اَلَّتِیْ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰی، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ فِیْ طُوْفَانِ الْعَمٰی ـ ذُرِّيَّةٌ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَالْاَذٰی وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ رِجْسٍ وَقَذٰی ـــ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدَدَ الرَّمْلِ وَالْحَصٰی، وَالنُّجُوْمِ فِی السَّمَاءِ

(ثُمَّ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی):

اَلْاِمَامِ الْمُؤْتَمَنِ، مُنِيْمِ الثَّارِ وَالْاِحَنِ، مَاحِی الْاِثْمِ وَالْمِحَنِ، قَالِعِ الصَّنَمِ وَالْوَثَنِ، وَاضِعِ الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ اَبُوْ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ نَاعِشِ ذَوِی الْمَتْرَبَةِ، وَمُطْعِمِ يَوْمِ الْمَسْغَبَةِ عِلْمٍ مَنْشُوْرٍ، وَدُرٍّ مَنْثُوْرٍ، وَدِيْنٍ مَذْكُوْرٍ، وَسَيْفٍ مَشْهُوْرٍ۔

مِنْ مَنْبَعِ الْاَنْبِيَاءِ وَمِنْ مَخْبَرِ الْاَوْصِيَاءِ وَمِنْ مَزْرَعِ الزَّهْرَاءِ، فِیْ اَهْلِ الْعَبَاءِ وَالْكِسَاءِ، مَعْدَنِ السَّخَاءِ، شَجَرَةِ الصَّفَاءِ، ثَمَرَةِ الْوَفَاءِ۔

اِبْنُ خَيْرِ الرِّجَالِ وَخَيْرِ النِّسَاءِ ـ كَلِمَةِ التَّقْوٰی، الْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی سَلِيْلِ الْهُدٰی، رَضِيْعِ التُّقٰی، غَيْثِ النَّدٰی، غِيَاثِ الْوَرٰی، ضِيَاءِ الْعُلٰی، قُرَّةِ عَيْنِ الزَّهْرَاءِ، وَوَلِیِّ عَهْدِ الْمُرْتَضٰی اَشْبَهِ الْخَلْقِ بِالْمُصْطَفٰی، مَرْضِیِّ الْمَوْلٰی اَلْحَسَنِ الْمُجْتَبٰی قِبْلَةِ الْعَارِفِيْنَ، وَعَلَمِ الْمُهْتَدِيْنَ، وَثَانِی الْخَمْسَةِ الْمَيَامِيْنَ، اَلَّذِی افْتَخَرَ بِهِمُ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ وَبَاهَلَ بِهِمُ اللّٰهُ الْمُبَاهِلِيْنَ۔

مَنْبَعُ الْحِكْمَةِ، مَعْدِنُ الْعِصْمَةِ، كَاشِفُ الْغُمَّةِ، مَفْزَعُ الْاُمَّةِ، وَلِیُّ النِّعْمَةِ، عَالِی الْهِمَّةِ، جَوْهَرُ الْهِدَايَةِ

طَيِّبُ الْبِدَايَةِ وَالنِّهَايَةِ، صَاحِبُ اللِّوَاءِ وَالرَّايَةِ، أَصْلُ الْحِلْمِ وَالدِّرَايَةِ، مَحَلُّ الْفَهْمِ وَالرِّوَايَةِ، وَالْفَضْلِ وَالْكِفَايَةِ، وَأَهْلُ الْإِمَامَةِ وَالْوِلَايَةِ، وَالْخِلَافَةِ وَالدِّرَايَةِ، جَوْهَرُ صَدَفِ النُّبُوَّةِ، وَدُرُّ بَحْرِ أَحْمَدِيَّةٍ تَاجُ آلِ مُحَمَّدِيَّةٍ.

نُورُ سَعَادَةِ نَسْلِ إِبْرَاهِيمَ، سِرَاجُ دَوْلَةِ أَصْلِ إِسْمَاعِيلَ.

السِّبْطُ الْمُبَجَّلُ، وَالْإِمَامُ الْمُفَضَّلُ، أَجَلُّ الْخَلَائِقِ فِي زَمَانِهِ وَأَفْضَلُهُمْ، وَأَعْلَاهُمْ حَسَبًا وَنَسَبًا وَعِلْمًا، وَأَجَلُّ وَأَكْمَلُ سَيِّدُ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، خِدْمَتُهُ فَرْضٌ عَلَى الْعَالَمِينَ وَمِنَّةٌ، وَحُبُّهُ لِلْمُسْلِمِينَ مِنَ النِّيرَانِ جُنَّةٌ وَمُتَابَعَتُهُ عَلَى الْمُوَحِّدِينَ فَرْضٌ لَا سُنَّةٌ.

عُنْصُرُ الشَّرِيعَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَقُطْبُ الْعُلُومِ وَالْأَحْكَامِ وَفَلَكُ شَرَائِعِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ.

شَمْسُ أَوْلَادِ الرَّسُولِ، وَقُرَّةُ عَيْنِ الْبَتُولِ.

سَمَاوَةُ الْمَلَاذِ، وَقَامِعُ أَهْلِ الضَّلَالِ، وَمَنِ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ الطَّيِّبُ الْمُتَعَالِ.

ثَمَرَةُ قَلْبِ النَّبِيِّ وَقُرَّةُ عَيْنِ الْوَصِيِّ، وَمَنْ مَدَحَهُ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ.

اَلسِّبْطُ الْأَوَّلُ، وَالْإِمَامُ الثَّانِي، وَالْمُقْتَدَى الثَّالِثُ، وَالذِّكْرُ الرَّابِعُ...

(تمام تعریفیں خداوندِ عالم کے لئے جو نعمت عظمیٰ اور عظیم عطایا سے نوازنے والا ہے۔ وہی اعلیٰ ترین راستے کی طرف دعوت دینے والا،

اور پسندیدہ صفات کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

اُس نے پیدا بھی کیا مناسب بھی بنایا، ہر چیز کو ایک انداز پر بنایا اور رہنمائی کی، اُس نے تازہ گھاس پیدا کی، پھر اُس نے اُسکو (سکھا کر) سیاہ کر ڈالا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایک برگزیدہ منصب کے ساتھ مبعوث کیا اور اُن کی (اصل (اور خاندان) کو ممتاز قرار دیا۔

اُن کو ایسے وقت میں بھیجا جب لوگ بے راہ تھے، گمراہی و اندھے پن کے درمیان زندگی گذار رہے تھے، تو (حضورِ اکرمؐ نے) اُن لوگوں کو دنیا و آخرت کی طرف متوجہ کیا۔ اپنے قرابتداروں کی محبت کے سوا، اُنہوں نے اپنی زحمتوں کا کوئی عوض طلب نہیں کیا۔

خداوندِ عالم نے اُن کے بھائی، علی مرتضیٰؑ اور ان کی آبدار تلوار کے ذریعہ سے اُن کی مدد و نصرت کی جنھیں حضورِ اکرمؐ کے لئے ویسا ہی قرار دیا جیسے جنابِ موسیٰؑ کے لئے جناب ہارونؑ تھے۔

و

میں گواہی دیتا ہوں کہ خداوندِ عالم کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اور یہ ایک ایسی گواہی ہے جو (کائنات کی آخری حد تک پہونچنے والی ہے۔

اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ خُدا کے بندے اور رسول ہیں، جن لوگوں کو بھی پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور جنھوں نے لوگوں کو خدا کی طرف بلایا ان میں سب سے افضل، اور بنی نوع انسان میں سب سے اشرف و اعلیٰ ہیں۔

اُن پر بھی دُرود و سلام ہو اور اُن کی آل پر بھی جو آفتاب و ماہتاب (کی طرح منوّر ہیں) پاک و پاکیزہ شجرۂ طیبہ ہیں اور جو اُس سفینۂ نوحؑ کے مانند ہیں کہ جو اس سے وابستہ ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اُس سے دوری اختیار کی وہ طوفان میں ڈوب گیا۔

یہ حضورِ اکرمؐ کی وہ اولادِ طاہرین ہیں جن سے خداوندِ عالم نے ہر رِجس کو دور رکھا اور ہر عیب و نقص سے انھیں پاک اور منزہ قرار دیا ہے۔ خداوندِ عالم کی طرف سے اُن پر صحرا کی ریت اور آسمان کے ستاروں کی طرح (اَن گنت) دُرود و سلام ہو۔

اسی کے ساتھ درود و سلام ہو (نواسۂ رسولؐ) امام مؤتمن، صاحب ثار و محن پر جنھیں زہر دے کر شہید کیا گیا، اور جن پر مصائب ڈھائے گئے۔ جبکہ وہ بُت پرستی کا قلع قمع کرنے والے فرائض و سنن (کے حدود) معین کرنے والے تھے یعنی (حضرت امام) حسن مجتبیٰؑ۔

جو حضور اکرمؐ سے قربت رکھنے والوں کو حیاتِ نو کا پیغام دینے والے اور بدحالی کے موقع پر لوگوں کو شکم سیر کرنے والے تھے۔

جو حق کے کھلے ہوئے پرچم۔

بکھرے ہوئے موتی۔

دینِ مذکور۔ اور سیفِ مشہور کی حیثیت کے مالک تھے۔

وہ نبوّت کے خاندان سے اور وصی (پیغمبر) کے جانشین تھے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے دلبند تھے۔

صاحبِ کساء، سخاوت کے معدن، شجرۂ اخلاص اور ثمرِ وفا کی منزل پر فائز تھے۔

بہترین ماں باپ کے فرزند۔

تقویٰ کا پیغام۔

خدا کی مضبوط رسی۔

ہدایت کی اصل۔

پرہیزگاری کی آغوش میں فیضیاب ہونے والے

ابرِ رحمت۔

بندوں کے مددگار۔

بلندیوں کے نور۔

حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے دلبند۔

جناب علی مرتضیٰؑ کے ولی عہد۔

تمام لوگوں میں حضورِ اکرمؐ سے بہت زیادہ مشابہ۔

فضائلِ پروردگار کے مظہر۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام (کی ذات والاصفات وہ ہے) جو صاحبانِ معرفت کے لئے قبلہ نما رہنمائی حاصل کرنے والوں کے لئے پرچمِ ہدایت، پنجتنِ پاک کی فرد جن پر جبرئیلِ امینؑ نے فخر کیا، اور پروردگارِ عالم نے دوسروں پر مباہات فرمائی!

وہ حکمت کا سرچشمہ۔

عصمت کا معدن۔

رنج و غم کو دُور کرنے والے۔

اُمّت کی پناہ گاہ۔

نعمت کے ولی (وسر پرست)

بلند ہمت والے۔
ہدایت کے جوہر
ابتدا و انتہا کے لحاظ سے نہایت پاک و پاکیزہ۔
اسلام کے علم اور پرچم کو بلند کرنے والے۔
علم و دانش کے مرکز۔
فہم و روایت کے محور۔
صاحبِ فضل و کفایت۔
ورثہ دارِ امامت و ولایت و خلافت و درایت۔
صدفِ نبوت کے جوہر۔
دریائے (علوم) احمدِ مختار کے موتی۔
اور آلِ محمد (کے شرف کا) تاج۔
اُن کی ذاتِ والا صفات: نسلِ ابراہیمؑ کی سعادت کی روشنی اور ذریتِ اسماعیل کا چراغ ہے۔
جلیل القدر نواسۂ رسولؐ۔
امام عالی وقار۔
اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے افضل و اعلیٰ۔
حسب و نسب، علم و دانش میں سب سے بلند، سب سے جلیل القدر، سب سے زیادہ کامل۔
جوانانِ جنت کے سردار۔ جن کی خدمت تمام جہانوں پر فرض، جن کی محبت مسلمانوں کو آتشِ جہنم سے بچانے والی' اور جن کی پیروی اللہ کے تمام بندوں پر واجب

اسلام و شریعت کا مرکز، احکام و علوم کا محور اور قانونِ حلال و حرام کے آسمان۔
اولادِ رسول میں خورشیدِ تاباں، جنابِ سیدہؑ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، چاند جیسے روشن و منور۔ جنھیں خداوندِ عالم نے منتخب قرار دیا۔
وہ پیغمبرِ اکرمؐ کے میوۂ دل، وصیِ پیغمبرؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، اور وہ ذاتِ گرامی ہیں جن کی خداوندِ عالم نے مدح و ثنا فرمائی۔
حضورِ اکرمؐ کے نواسوں میں اوّل۔
سلسلۂ امامت میں دوئم۔
پیشوائی و رہنمائی میں سوئم ۔۔ اور
(جب پنجتنِ پاک کو ترتیب سے یاد کیا جائے تو) چہارم ہیں
یعنی امام برحق، حجتِ خدا، نائبِ سید الاولیاء، خلیفۂ سید الانبیاء
حضرت امام حسن علیہ السلام ____

وِلادتِ باسعادت

مشہور قول کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت:......

۱۵ رمضان المبارک سنہ ۳ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

امالی شیخ صدوقؒ کی روایت ہے کہ:

جب آپؑ کی ولادتِ باسعادت ہوئی، اور شہزادیٔ کونین، خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے جنابِ امیرؑ سے بچے کے نام کے بارے میں گفتگو فرمائی، تو انہوں نے فرمایا کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سبقت نہیں کرسکتا۔

پھر جب بچے کو کپڑے پہنا کر حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے جنابِ امیرؑ سے دریافت فرمایا کہ:

کیا تم نے اس کا نام تجویز کیا۔؟

آپؑ نے فرمایا کہ، نام کے سلسلہ میں، میں آپؐ پر سبقت نہیں کرسکتا تھا۔

تو حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ: اور میں (بھی) پروردگار پر سبقت نہیں کرسکتا۔

چنانچہ خداوندِ عالم نے جبرائیلؑ سے فرمایا کہ، (میرے نبی) محمدؐ (کی صاحبزادی) کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی ہے تم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام پہونچاؤ، مبارک باد پیش کرو اور کہہ دو کہ:

اِنَّ عَلِیًّا مِنْکَ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ فَسَمِّہٖ بِاسْمِ ابْنِ ھَارُوْنَ

(یقیناً، علیؑ آپ کے نزدیک ویسے ہی ہیں جیسے موسیٰؑ کے لئے ھارونؑ تھے۔ تو (آنے والے مولود کا) نام ہارونؑ کے فرزند کے نام پر رکھئے)

جبرئیل امین نے حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا اور خداوندِ عالم کی طرف سے مبارکباد پیش کرنے کے بعد بتایا کہ،

خداوندِ عالم نے فرمایا ہے کہ آپ اس بچے کا نام جناب ھارونؑ کے فرزند کے نام پر "شبّر"[1] رکھیں۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: اے جبرئیلؑ، یہ تو دوسری زبان کا نام ہے جب کہ، ہماری زبان عربی ہے۔

تو (خداوندِ عالم کی طرف سے) فرمان آیا کہ، "حَسَن" نام رکھئے۔

چنانچہ حضورِ اکرمؐ نے آپ کا نام "حسن" رکھا۔

پھر ساتویں دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کا عقیقہ کرایا (بچے کے بالوں کو صاف کرایا) سر پر خوشبو لگائی، بالوں کے ہم وزن چاندی راہِ خدا میں قربان کی اور ایک دنبہ ذبح کرایا۔

"مَعَانِی الْاَخْبَار"۔ اور "عِلَلُ الشَّرَائِع" کی روایت ہے کہ:

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا نام خداوندِ عالم کی طرف سے جبرئیل نے حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور آپؑ کے لئے لباس بھی جبرئیلِ امینؑ ہی لائے تھے۔

[1] حسن، شبّر کے ہم معنی ہے۔

آپؑ کی ولادت باسعادت سے کچھ عرصہ قبل جناب عباس بن عبدالمطلب کی زوجہ محترمہ جناب اُمّ الفضلؓ نے ایک خواب دیکھا تھا، جسے حضورِ اکرمؐ سے بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ:

"اے خدا کے رسولؐ، میں نے خواب میں یہ منظر دیکھا ہے کہ جیسے آپؐ کے جسم کا ایک ٹکڑا میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ: (عنقریب) میری بیٹی فاطمہؑ کے یہاں لڑکا پیدا ہوگا جو آپ کی آغوش میں آئے گا۔

چنانچہ جب حضرت امام حسنؑ کی ولادت ہوئی تو حضورِ اکرمؐ نے بچے کو (اپنی چچی) جناب اُمّ الفضلؓ کی خدمت میں پیش کیا، جنھوں نے انھیں دودھ پلایا۔

(حوالے کے لئے ملاحظہ فرمایئے: بحارالانوار جلد ۴۳ صفحہ ۲۴۲)

ع

عطا بن یسار کی روایت ہے کہ... ایک راہب نے جب حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو (اُن کی کمسنی کے زمانہ میں) دیکھا تو انھیں پیار کرنے کے بعد (فرطِ مسرت سے) رونے لگا اور لوگوں کو بتایا کہ:

ان دونوں شہزادوں کا نام توریت میں شبّر اور شبیر ہے جبکہ انجیل میں ان کو طاب اور طیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

پھر اُس نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا، اور جب آنحضرتؐ کی خصوصیات بتائی گئیں تو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

اور ابوالحسین النسابہ کی روایت ہے کہ:

كَانَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ حَجَبَ هٰذَيْنِ الْاِسْمَيْنِ عَنِ الْخَلْقِ يَعْنِيْ حَسَنًا وَحُسَيْنًا، حَتّٰى يُسَمّٰى بِهِمَا اِبْنَا فَاطِمَةَ سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْهَا، فَاِنَّهُ لَا يُعْرَفُ اَنَّ اَحَدًا مِنَ الْعَرَبِ تَسَمّٰى بِهِمَا فِيْ قَدِيْمِ الْاَيَّامِ اِلٰى عَصْرِهِمَا ـ لَا مِنْ نِزَارٍ، وَلَا الْيَمَنِ مَعَ سَعَةِ اَفْخَاذِهِمَا وَكَثْرَةِ مَا فِيْهِمَا مِنَ الْاَسَامِيْ..."

خداوندِ عالم نے اِن دوناموں: "حسنؑ اور حسینؑ" کو اپنے پاس مخفی رکھا تھا، تاکہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے بچوں کے یہ نام رکھے جائیں؛ ورنہ زمانۂ قدیم سے، اہلِ عرب میں کسی کا یہ نام نہیں ملتا نہ اہلِ یمن کے یہاں یہ نام پایا جاتا ہے، حالانکہ "اولادِ نزار" بھی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور اہلِ یمن کے یہاں بھی ناموں کی کثرت پائی جاتی ہے (لیکن یہ دو نام ان کے ہاں کبھی نہیں ملتے۔ گویا خداوندِ عالم نے ان دو ناموں کو ان دو شہزادوں کے لئے مخصوص کر رکھا تھا)

ملاحظہ فرمایئے: بحارالانوار جلد ۴۳، صفحہ ۲۵۲، ۲۵۳)

ک

کافی کی روایت ہے: حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا بیٹے کی (ولادت پر) تہنیت و مبارک باد کا آغاز کب سے ہوا۔؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: جب امام حسن مجتبیٰؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تو جناب جبرئیلِ امینؑ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، مبارک باد پیش کی (خداوندِ عالم کی طرف سے بچے کا)

نام بجویز کیا، کنیت مقرر کی (اور بتایا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے کہ) (ساتویں دن) بچے کے بال مونڈے جائیں، عقیقہ کیا جائے۔

پھر جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی، تو بھی جنابِ جبرئیلِ امین اسی طرح تشریف لائے، اور یہی سب کام انجام دیئے۔

بحار الانوار جلد ۴۳
صفحہ ۲۵۷

قرآنِ کریم

اور

مدحِ مجتبیٰؑ

سورۂ مبارکہ "الطور" میں ارشادِ قدرت ہے:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ، وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ؕ۔

(اور جو لوگ ایمان لائے، اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم اُن کی اولاد کو ان کے ساتھ شامل کر دیں گے، اور ان کے عمل میں ہم کوئی کمی نہیں کریں گے)

تو جب عام صاحبانِ ایمان کی مومن اولاد اُن کے ساتھ ہوگی تو کُلِ ایمان کی اولاد کے مرتبے کا کیا کہنا، جسے پیغمبر نے اپنی اولاد کہا ہو۔؟

اور سورۂ مومن میں ارشادِ قدرت ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا، رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ، رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنِ ۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ۔ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(جو لوگ عرش کو اٹھانے والے، اور اس کے پاس رہنے والے (فرشتے) اپنے پروردگار کی تسبیح، حمد کے ساتھ کرتے ہیں، اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں (کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز کا اپنی رحمت اور علم سے احاطہ کر رکھا ہے، تو اُن لوگوں کو بخش دے، جنھوں نے توبہ کرلی، اور تیرے راستے کی پیروی کی، اور انھیں عذابِ جہنم سے محفوظ فرما۔

اے ہمارے پروردگار اُنھیں اُس جنتِ عدن میں داخل کردے جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے، اور اُن کے نیک باپ دادا اور اولاد کو (اُن کے ساتھ شامل کردے) ۔ بیشک تُو غالب، حکمت والا ہے)

اس آیت نے بھی وضاحت کی کہ نیک اولاد، صالح ماں باپ کے ساتھ ہوگی۔

اور سورۂ مبارکہ فرقان میں، پروردگارِ عالم نے اپنے کچھ خاص بندوں کی دعا کو اِن الفاظ میں قلمبند کیا ہے کہ :

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

(اور جو یہ دُعا کرتے ہیں کہ : پالنے والے، تو ہماری شریکِ حیات اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما)

آیت پر غور کیجئے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا بہترین مصداق مولائے کائنات امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ہے، کیونکہ اُن کے علاوہ نہ کسی کو حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا جیسی شریکِ حیات ملی اور نہ حسنؑ و حسینؑ جیسی اولاد ـــ !

اور سورہ مبارکۂ ابراہیم میں ارشادِ قدرت ہے :

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ، تُؤْتِىْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ۢبِاِذْنِ رَبِّهَا ...

(خداوند عالم نے پاکیزہ بات کی مثال شجرۂ طیبہ سے پیش کی، جس کی جڑ زمین میں راسخ ہے، اور جس کی شاخ آسمان میں ہے، جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر آن پھل دیتا ہے)

اور پوری کائنات میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا شجرۂ طیبہ کس کا ہے، اور اُن کی دخترِ نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہراءؑ جیسی پاک و پاکیزہ نسل اور کس کی ہے جو اولادِ رسولؐ کی حیثیت سے دنیا میں بھی لائقِ احترام ہیں اور آخرت میں بھی اُن کا درجہ اتنا بلند ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :

قیامت میں ہر رشتہ منقطع ہو جائے گا، مگر میرا اور میری اولاد کا رشتہ برقرار رہے گا۔

اور مولائے کائنات امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ :

"يَا عَلِيُّ اَنْتَ اَخِيْ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

(اے علیؑ تم دنیا میں بھی میرے بھائی ہو، اور آخرت میں بھی)

تفسیرِ فراتِ ابنِ ابراہیم میں جعفر الفرازی کی روایت ہے جنھوں نے اپنے سلسلۂ سند سے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید میں جو ارشادِ قدرت ہے کہ :

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ آمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ، وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ، وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اُس کے رسول پر ایمان (ولیقین) رکھو، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دُو حصے عطا کرے گا اور تمہارے لئے ایسا نُور قرار دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے، اور تمھیں مغفرت عطا کرے گا، اور اللہ بہت مغفرت عطا کرنے والا مہربان ہے)

(سُورۃُ الحدید: آیت : ۲۸)

اس بارے میں جنابِ ابنِ عباس سے منقول ہے کہ:

"رحمت کے دُو حصے" سے مراد حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ ہیں" اور یَجْعَلْ لَکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (تمہارے لئے ایسا نُور قرار دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے) - اس نُور سے مراد امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی ذاتِ گرامی ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے "بحار الانوار" جلد ۲۳ صفحہ ۳۰۷)

اور سورۂ مبارکہ "النُور" میں مالکِ دوجہاں نے خاصانِ خدا کی مدح و ثناء کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ، يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ، يَخَافُوْنَ يَوْمًا

تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔

(اُن گھروں میں جن کو خداوندِ عالم نے اجازت دی ہے کہ اُنھیں بلند کیا جائے اور اُس میں اُس کے نام کو یاد کیا جائے، صبح و شام ایسے لوگ خداوندِ عالم کی تسبیح کرتے ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت، اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اُس دن کا خوف ہے جس دن (دہشت سے) دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی

(سورۂ مبارکہ "النور" آیت ۳۶، ۳۷ - پارہ ۱۸)

جس کے بارے میں جناب ابنِ عباس کہتے ہیں کہ:

میں مسجد النبیؐ میں تھا کہ ایک قاریٔ قرآن نے اس آیت کی تلاوت کی، تو میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا کہ:

"اے خدا کے رسولؐ! - یہ کون سے گھر ہیں -؟"

تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"بُيُوْتُ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ" وَ اَوْمٰى بِيَدِهٖ اِلٰى بَيْتِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِبْنَتِهٖ۔

(انبیائے کرام علیہم السلام کے مکانات)۔ یہ فرما کر آپؐ نے اپنی دخترِ نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کی طرف اشارہ فرمایا)

اور یہی مضمون جناب بریدہ کے حوالے سے موصول ہونے والی روایت میں ان الفاظ میں ہے کہ "قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ:

"فِی بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ..."
فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: اَیُّ الْبُیُوْتِ ھٰذِہٖ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟
قَالَ: بُیُوْتُ الْاَنْبِیَاءِ۔
فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا الْبَیْتُ مِنْھَا: بَیْتُ عَلِیٍّ وَفَاطِمَۃَ؟
قَالَ م: نَعَمْ، مِنْ اَفَاضِلِھَا۔

(حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ:

"اُن گھروں میں، جن کو خداوندِ عالم نے اجازت دی ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور اُس کے نام کو یاد کیا جائے۔"

تو ایک شخص کھڑا ہوا، اور اُس نے دریافت کیا

"اے خدا کے رسولؐ - یہ کون سے گھر ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: انبیائے (کرام) کے مکانات!

اُس شخص نے دریافت کیا کہ:

اے خدا کے رسولؐ! - کیا حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کا یہ گھر بھی اُن ہی گھروں میں شامل ہے؟

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ہاں - (بلکہ) اُن میں امتیازی فضیلت رکھنے والے گھروں میں سے ہے۔

(حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے: تفسیر البرہان جلد ۳ صفحہ [illegible])

ابو الجارود کی روایت ہے کہ:

فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی — (کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ) اہلبیت طاہرین علیہم السلام سے محبت کی جائے۔

اسی طرح سورۂ مبارکہ "الواقعۃ" میں جو لفظ "مقربون" آیا ہے اُس کے ابتدائی مصداق یہ ہستیاں ہیں:

حضرت رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام۔
خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا۔
سردار جوانانِ جنان حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام — اور
سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام۔

اور معتبر حدیث میں وارد ہے کہ:

ایک روز حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، اور دورانِ خطبہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

میں اہلبیتِ (پیغمبرؐ) سے ہوں جن کی مودت خداوندِ عالم نے تمام مسلمانوں پر فرض قرار دی ہے۔ (جیسا کہ) ارشادِ قدرت ہے کہ:

قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

(اے پیغمبرؐ کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے (کارِ تبلیغ رسالت) کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ (میرے) قرابتداروں سے مودت (و محبت) اختیار کرو)

وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَۃً نَّزِدْ لَہٗ فِیْہَا حُسْنًا۔ (اور جو نیکی

اختیار کرے گا ہم اس کی نیکی کے حسن میں اور اضافہ کر دیں گے)

کے بارے میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

"اس سے ہم اہلبیتِ پیغمبرؐ کی محبت مراد ہے۔"

ملاحظہ فرمائیے مناقب آلِ ابی طالب
جلد ۲، صفحہ ۱۷۰

نواسۂ رسولؐ کے فضائل و مناقب کے بارے میں عالمِ اسلام کی گواہی

محمد العطار کی روایت ہے، نافع سے منقول ہے کہ: حضرت رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ زُيِّنَ عَرْشُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ بِكُلِّ زِيْنَةٍ ثُمَّ يُؤْتٰى بِمِنْبَرَيْنِ مِنْ نُوْرٍ طُوْلُهُمَا مِائَةُ مِيْلٍ فَيُوْضَعُ اَحَدُهُمَا عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ، وَالْآخَرُ عَنْ يَسَارِ الْعَرْشِ ثُمَّ يُؤْتٰى بِالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَيَقُوْمُ الْحَسَنُ عَلٰى اَحَدِهِمَا وَالْحُسَيْنُ عَلَى الْآخَرِ، يُزَيِّنُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهِمَا عَرْشَهٗ كَمَا يُزَيِّنُ الْمَرْاَةَ قُرْطَاهَا

(جب قیامت کا دن ہوگا، پروردگارِ عالم کے عرش کو ہر زینت سے آراستہ کیا جائے گا، پھر نور کے دو (انتہائی طویل) منبر لائے جائیں گے، ان میں سے ایک کو عرش کے داہنی طرف اور دوسرے کو عرش کے بائیں طرف رکھا جائے گا۔

پھر حسن و حسین (علیہما السلام) کو لایا جائے گا تو ایک منبر پر حسنؑ اور دوسرے پر حسینؑ بیٹھیں گے۔

پروردگارِ عالم ان دونوں کے ذریعے سے اپنے عرش کو اسی طرح

آراستہ کرے گا جیسے کوئی عورت خود کو... آراستہ کرتی ہے)
گویا یہ جوانانِ جنت، جس طرح دنیا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کے حقیقی وارث تھے، آخرت میں خداوندِ عالم کی طرف سے رکھے جانے والے منبر کے بھی دونوں حضرات حقدار قرار پائیں گے۔

(حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے امالی شیخ صدوق، بحار الانوار جلد ۴۳ صفحہ ۲۶۱، ۲۶۲)

و

اور یہ روایت تو تقریباً مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کی معتبر کتابوں میں موجود ہے کہ:

الحَسَنُ وَالحُسَينُ سَيِّدا شَبابِ أَهلِ الجَنَّةِ

(حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں)

البتہ "قرب الاسناد" میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ (حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا):

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدا شَبابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ، وَاَبُوهُما خَيْرٌ مِنْهُما۔ (حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ اہلِ جنت کے سید و سردار ہیں، اور ان کے پدرِ بزرگوار ان سے بھی بہتر ہیں)

نیز اسی سلسلۂ سند سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

اَمَّا الْحَسَنُ فَاَنْحَلْتُهُ الْهَيْبَةَ وَالْحِلْمَ وَاَمَّا الْحُسَيْنُ فَاَنْحَلْتُهُ الْجُودَ وَالرَّحْمَةَ۔

(حسنؑ کو میں نے ہیبت و حلم عطا فرمایا ہے اور حسینؑ کو سخاوت و رحمت (کی صفات) سے خصوصیت کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے)

یہ روایت امالی شیخ صدوقؒ میں بھی حسن بن محمد العلوی نے صفوان بن سلمان سے نقل کی ہے۔

(بحار الانوار جلد ۴۳ صفحہ ۲۹۳، ۲۹۴)

و

اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ بَعْدِي وَبَعْدَ اَبِيهِمَا، وَاُمُّهُمَا اَفْضَلُ نِسَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ۔

(میرے اور علیؑ کے بعد، حسنؑ و حسینؑ روئے زمین پر زندگی گزارنے والے تمام لوگوں سے بہتر ہیں، اور ان کی مادرِ گرامی جنابِ (فاطمہ زہراؑ) تمام اہلِ زمین کی خواتین سے افضل ہیں)

(ملاحظہ فرمائیے: عیون اخبار الرضا، بحار الانوار ج ۴۳ ص ۲۶)

و

اور ابو عمرو نے ابن حمدہ سے روایت کی ہے کہ: حضرت رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِي وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِي (جس نے حسنؑ و حسینؑ سے محبت کی، اس نے درحقیقت مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان دونوں سے عداوت کی، اس نے درحقیقت مجھ سے عداوت کی)... اور الکشف والبیان میں ثعلبی نے حضرات اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام کے معجزات بیان کرتے ہوئے

لکھا ہے کہ :

ایک دفعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار تھے تو جناب جبرئیلِ امین (جنت سے) ایک طبق لے کر آئے جس میں انار اور انگور تھے۔

حضورِ اکرمؐ نے ان میں سے کچھ تناول فرمایا تو (ان دانوں نے خداوندِ عالم کی) تسبیح پڑھی۔

اس کے بعد حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ تشریف لائے، انہوں نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔ تو ان (انگور و انار کے دانوں) نے سبحان اللہ کہا۔

پھر آنحضرتؐ کے ایک ساتھی آئے اور انہوں نے بھی وہ پھل کھائے، لیکن اس دفعہ تسبیح کی آواز نہیں آئی۔

تو جبرئیلِ امینؑ نے (وضاحت کرتے ہوئے) فرمایا کہ :

یہ پھل نبیؐ، وصیِ نبیؐ اور اولادِ نبیؐ ہی کے لئے ہیں۔"

مناقب آلِ ابی طالب جلد ۳، صفحہ ۱۵۵، ۱۵۹)

۴

ابو الہیثم المصری کا بیان ہے کہ :

جنت نے پروردگارِ عالم سے درخواست کی کہ اُسے خصوصی زینت بخشی جائے ——— تو خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ :

اِنّی قَدْ زَیَّنْتُکِ بِالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ

(میں نے تجھے حسنؑ اور حسینؑ کے ذریعے سے زینت دی ہے۔

یہ جواب سن کر جنت کے سرور و فرحت میں بہت اضافہ ہوا۔

(مناقب آلِ ابی طالب ۳ : ۱۹۵)

حضورِ اکرمؐ کی اپنے نواسوں سے محبت

خاتم الانبیاء حضرت احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسوں سے جو محبت فرماتے تھے اس کے تذکرے سے تمام مکاتبِ فکر کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ ہم یہاں صرف تبرکاً چند احادیث درج کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں :

کتاب حلیۃ الاولیاء کی روایت ہے ——— (راوی بیان کرتا ہے کہ)

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَاضِعًا الْحَسَنَ عَلٰی عَاتِقِہٖ وَقَالَ (ص) :

"مَنْ اَحَبَّنِیْ فَلْیُحِبَّہٗ" (۳۶۶ : ۴ ج)

(میں نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت (امام) حسنؑ کو اپنے کاندھے پر اٹھائے ہوئے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ :

جس کو مجھ سے محبت ہو اُسے چاہیئے کہ (میرے) اس (نواسے) سے محبت کرے)۔

اور کامل الزیارات میں جناب ابوذرِ غفاریؓ سے منقول ہے کہ :

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ وَذُرِّیَّتَہُمَا مُخْلِصًا لَمْ تَلْفَحِ

النَّارُ وَجْهَهُ وَلَوْكَانَتْ ذُنُوْبُهُ بِعَدَدِ رَمْلِ عَالِجٍ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ ذَنْبًا يُخْرِجُهُ مِنَ الْاِيْمَانِ

جس نے حسنؑ و حسینؑ اور اُن دونوں کی اولاد سے خلوص کے ساتھ محبت کی، آتش (جہنم) اُس کے رُخ کو نہیں اگرچہ اُس کے گناہ .... (بہت زیادہ ہوں) ——— سوائے اس کے کہ (اس نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو) جو اُسے دائرہ ایمان سے خارج کر دے)۔ (بحارالانوار جلد ۴۳ : ۲۸۰)

ؤ

کیونکہ جو شخص دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے اُس کی باقی نیکیوں کی بخشش، بمد دگار کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی اور نہ وہ اجر و ثواب کا حقدار رہتا ہے۔

نیز جناب ابوذر غفاریؓ سے یہ بھی منقول ہے :

اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِحُبِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ فَاُحِبُّهُمَا وَاَنَا اُحِبُّ مَنْ يُحِبُّهُمَا لِحُبِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ اِيَّاهُمَا

(۴۳ : ۲۹۹)

(مجھے حضرت رسولِ خدا نے (حضرت امام) حسنؑ و حسینؑ کی محبت کا حکم دیا، تو میں اِن دونوں سے محبت کرتا ہوں اور جو ان دونوں سے محبت کرے اُس سے بھی محبت کرتا ہوں کیونکہ حضرت رسولِ خدا بھی ایسے شخص سے محبت کرتے ہیں۔

مناقب ابن شہر آشوب کی روایت ہے، مسند امام رضاؑ میں منقول ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اَلْوَلَدُ رَيْحَانَةٌ، وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَيْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْيَا (۴۳ : ۲۸۱)

(اولاد پھول (کے مانند) ہوتی ہے، اور حسنؑ و حسینؑ، میری دنیا (اور میری زندگی) کے دو پھول ہیں)[1]

اور عتبہ بن غزوان کی روایت ہے کہ :

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں نواسوں کو اپنی آغوش میں بٹھائے ہوئے تھے، کبھی ایک کا منہ چومتے تھے اور کبھی دوسرے کا۔

یہ منظر دیکھ کر لوگوں نے سوال کیا : "اے خدا کے رسولؐ کیا آپ اِن بچوں سے (اتنی) محبت کرتے ہیں؟

تو حضورِ اکرمؐ نے فرمایا :

مَالِيْ لَا اُحِبُّ رَيْحَانَتَيَّ مِنَ الدُّنْيَا.

(کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اُن سے محبت نہ کروں جو میری دنیا (کی زندگی) کی خوشبو ہیں)

(ملاحظہ فرمایئے : مناقب ابن شہر آشوب بحوالہ "بحار الانوار" جلد ۴۳ صفحہ ۲۸۱)

یہ روایت راشد بن علی، اور ابو ایوب انصاری وغیرہ سے بھی منقول ہے۔

ؤ

جبکہ ابو حازم کی روایت ہے کہ...

رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَمُصُّ لُعَابَ

---

[1] : یہ حدیث صحیح بخاری کے اندر بھی موجود ہے۔
اور ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، شعبہ نے اس کی روایت کی ہے۔
اور مہدی بن میمون نے اسے محمد بن یعقوب سے نقل کیا ہے۔ (۴۳ : ۲۸۱)

الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ كَمَا يَمُصُّ الرَّجُلُ الثَّمْرَةَ

(میں نے پیغمبرِ اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو دیکھا کہ حسنؑ و حسینؑ کے لعابِ دہن کو اس طرح چوس رہے تھے جس طرح کوئی شخص (کسی شیریں) پھل کو چوستا ہے۔ (بحارالانوار ۴۳: ۲۶۴)

۵

عبداللہ بن بریدہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پدرِ بزرگوار سے سنا ہے کہ:

ایک روز حضرت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم مسجد میں منبر پر تشریف فرما تھے اور خطبہ دے رہے تھے کہ اسی دوران آپ کے دونوں نواسے، جو بہت کمسن تھے، سرخ پوشاک پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے۔

اُن کے چلنے کا انداز دیکھ کر حضرت رسولؐ خدا منبر سے اترے دونوں کو اُٹھایا (دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے) دونوں نواسوں کو اپنی گود میں بٹھالیا، اور قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ:

تمہارا مال، اور تمہاری اولاد (تمہاری) آزمائش (کا ذریعہ) ہیں۔

(بحارالانوار جلد ۴۳ صفحہ ۲۸۴) ۴۵

۶

الامام الحافظ رشید الدین ابی عبداللہ محمد بن علی

۴۵ برادرانِ اہلسنت کے علماء میں گنجی نے "اللوامع" اور "شرف النبی" میں اس روایت کا تذکرہ کیا ہے۔ سمعانی نے "الفضائل" میں ۔ ترمذی نے "جامع ترمذی" میں، ثعلبی نے "الکشف" میں ۔ مقدسی نے "الاحیاء" میں ۔ احمد بن حنبل نے اپنی کتاب "الفضائل" میں ۔ اور دوسرے بہت سے علماء نے اپنی تالیفات میں یہ روایت نقل کی ہے۔

بن شہر آشوب نے اپنی مشہور کتاب "المناقب" میں لکھا ہے کہ:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ فَقَالَ:

مَنْ اَحَبَّنِيْ وَاَحَبَّ هٰذَيْنِ وَاَبَاهُمَا وَاُمَّهُمَا، كَانَ مَعِيْ فِيْ دَرَجَتِيْ فِي الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(جنابِ پیغمبرِ اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے حسنؑ و حسینؑ کا ہاتھ تھاما، اور فرمایا:

جو شخص مجھ سے محبت کرے (میرے) ان دونوں (نواسوں) سے محبت کرے، اور ان دونوں کے ماں باپ سے (بھی) محبت کرے، وہ روزِ قیامت، جنت میں میرے .. (ساتھ ہوگا۔)

اور اس بات کو مشہور شاعر ابوالحسین نے نظم الاخبار میں ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ:

اَخَذَ النَّبِيُّ يَدَ الْحَسَنِ وَصِنْوَهٗ ‏ يَوْمًا فَقَالَ وَصَحْبُهٗ فِيْ مَجْمَعٖ
مَنْ وَدَّنِيْ يَا قَوْمِ اَوْ هٰذَيْنِ اَوْ ‏ اَبَوَيْهِمَا فَالْخُلْدُ مَسْكَنُهٗ مَعِيْ

(پیغمبرِ اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے ایک دن حسینؑ اور اُن کے بھائی حسنؑ) کا ہاتھ تھام کر، اپنے اصحاب کے مجمع میں اعلان فرمایا کہ:

"اے لوگو! جو شخص مجھ سے (میرے) ان دونوں (نواسوں) سے اور ان دونوں کے ماں باپ سے محبت کرے گا، وہ بہشت میں میرے ساتھ ہوگا) ۴۶

۴۶: مذکورہ بالا روایت برادرانِ اہلسنت کی مندرجہ ذیل کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے: جامع ترمذی (از صحاحِ ستہ)، "فضائل" امام احمد بن حنبل، "شرف المصطفیٰ"، "فضائل" سمعانی، امالی ابن شریح۔ اور "ابانہ" ابن بطہ

اسامہ بن زید کی روایت ہے کہ :

میں نے ایک مرتبہ کسی ضرورت کے تحت رات کے وقت حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دروازہ کھٹ کھٹایا۔

تو حضورِ اکرم اس حالت میں باہر نکلے کہ آپ اپنی چادر کے اندر کسی کو گود میں لئے ہوئے تھے، جسے میں سمجھ نہ سکا۔

میں نے حضورِ اکرم کی خدمت میں اپنی حاجت بیان کی، پھر جب میری حاجت پوری ہوگئی (اور میں واپسی کے لئے آمادہ ہوا تو) حضورِ اکرم سے دریافت کیا کہ :

آپ چادر کے اندر کیا چیز لئے ہوئے ہیں ؟

یہ سن کر آپؐ نے چادر ہٹا دی۔ تو میں نے دیکھا کہ آپؐ حضرت امام حسنؑ اور امام حسین علیہما السلام کو گود میں لئے ہوئے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا :

هٰذَانِ اِبْنَایَ وَ اِبْنَا اِبْنَتِیْ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا، فَاَحِبَّهُمَا وَ اَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهُمَا۔

(یہ دونوں میرے فرزند اور میری بیٹی (فاطمہؑ) کے بیٹے ہیں۔ خداوندا۔ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کرنا اور جو ان سے محبت کرے اس سے بھی محبت فرمانا۔ [۱]

حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمایئے مناقب ابنِ شہر آشوب

جلد ۲، صفحہ ۱۵۴

---

[۱] برادرانِ اہلسنت کی مندرجہ ذیل معتبر کتابوں میں اس روایت کا تذکرہ موجود ہے :
جامع ترمذی۔ ابانۃ العکبری۔ کتاب السمعانی وغیرہ۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مشہور صحابی جناب ابنِ مسعود کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اکرم کے زانو پر حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور حضورِ اکرم یہ فرما رہے تھے کہ :

مَنْ اَحَبَّنِیْ فَلْیُحِبَّ هٰذَیْنِ

جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے (میرے) ان دونوں (نواسوں) سے بھی محبت کرنی چاہیئے

و

اور جناب ابنِ مسعود سے ایک اور روایت بھی منقول ہے کہ :

ایک روز حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیت الشرف سے اس طرح باہر تشریف لائے کہ آپ کے ایک کاندھے پر حضرت حسنؑ بیٹھے تھے اور دوسرے کاندھے پر حضرت حسینؑ اور آنحضرتؐ کبھی ایک کو پیار کرتے تھے اور کبھی دوسرے کو...

یہ منظر دیکھ کر ایک شخص نے دریافت کیا :

"اے خدا کے رسولؐ! کیا آپ ان دونوں (نواسوں) سے (اتنی زیادہ) محبت کرتے ہیں ؟

تو حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ :

مَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ

(جس نے (میرے) ان دونوں (نواسوں) سے محبت کی، اس نے درحقیقت مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی، اس نے حقیقتاً مجھ سے دشمنی کی)

و

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

دَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قُرْبَ مَوْتِهٖ فَقَبَّلَهُمَا وَشَمَّهُمَا وَجَعَلَ یُرَشِّفُهُمَا وَعَیْنَاهُ تَهْمِلَانِ (۳: ۱۵۴)

(حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رحلت سے قبل (اپنے دونوں نواسوں کو) بلایا، انھیں پیار کیا، ان کی خوشبو سونگھی اور اُن کے لب رخسار کا بوسہ لیتے رہے۔ اس حالت میں کہ آپ کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں)

مسند امام احمد بن حنبلؒ کی روایت ہے کہ:

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسوں، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو پیار کر رہے تھے جسے دیکھ کر عینیہ نامی شخص نے کہا کہ ؎

میرے دس فرزند ہیں، میں نے تو کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔

یہ سن کر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ:

"مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ"

(جو شخص لوگوں پر رحم نہ کرے خود اس پر (بھی) رحم نہیں کیا جائے گا)

لیکن اس سلسلہ میں حفص الفراء کی روایت یہ ہے کہ:

جب اس شخص نے یہ بات کہی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ناراض ہوئے آپ کے چہرے سے ناراضگی کے آثار نمایاں تھے۔ اور آپؐ نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا:

اِنْ کَانَ قَدْ نَزَعَ الرَّحْمَةَ مِنْ قَلْبِكَ فَمَا اَصْنَعُ بِكَ مَنْ لَمْ

؎ بعض روایات میں "عینیہ" کے بجائے "اقرع بن حابس" کا نام لکھا ہے۔

یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُعِزَّ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا۔

(اگر تمہارے دل سے رحمت سلب کر لی گئی ہے تو میں کیا کروں۔ (البتہ یاد رکھو کہ) جو شخص ہمارے کمسنوں پر رحم نہ کرے، اور نہ ہمارے بزرگوں کی توقیر کرے اس کا ہم سے تعلق نہیں ہے) ؎

ابو یعلی موصلی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ دورانِ نماز، سجدے کی حالت میں آپؐ کی پشت پر بیٹھ جاتے تھے، اس وقت اگر کوئی شخص ان شہزادوں کو پشتِ رسولؐ سے ہٹانا چاہتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارے سے منع کر دیتے تھے، پھر جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو دونوں شہزادوں کو اپنی گود میں بٹھا کر فرمایا کرتے تھے کہ:

مَنْ اَحَبَّنِیْ فَلْیُحِبَّ هٰذَیْنِ

(جو مجھ سے محبت کرتا ہے اُسے (میرے) ان دونوں (نواسوں) سے بھی محبت کرنی چاہیے)۔

اور حلیہ کی روایت ہے کہ (اس موقع پر) حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ،

ذَرْهُمَا بِاَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ اَحَبَّنِیْ فَلْیُحِبَّ هٰذَیْنِ

(مناقب آل ابوطالب: ابن شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۱۵۶)

ؤ

عبد اللہ بن بریدہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار سے سنا ہے،

؎ حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے:
کتاب مناقب آل ابی طالب، تالیف حافظ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی المعروف "ابن شہر آشوب" جلد ۳ صفحہ ۱۵۵

وہ فرماتے تھے کہ:

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مسجدِ نبوی میں) منبر پر بیٹھے ہوئے) خطبہ دے رہے تھے کہ آپؐ کے دونوں نواسے حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ سرخ پوشاک پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے۔ (اُس وقت دونوں بہت کمسن تھے، اور کمسنی ہی کے انداز سے) چلتے ہوئے آرہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت رسولِ خدا منبر سے اُترے دونوں نواسوں کو اُٹھایا اور انھیں گود میں بٹھا کر قرآنِ مجید کی اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ:

"تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش (کا ذریعہ) ہیں"

اس روایت کو ابوطالب المکی نے اپنی کتاب "قوت القلوب" میں بھی نقل کیا ہے البتہ اس میں صرف امام حسن مجتبیٰ کا ذکر ہے۔

ؤ

جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ:

میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ اونٹ کی طرح جھکے ہوئے ہیں، پشتِ مبارک پر آپؐ کے دونوں نواسے حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور اکرمؐ اُن دونوں سے

یہ روایت برادرانِ اہلسنت کی متعدد ذیل معتبر کتابوں میں بھی موجود ہے صحاح ستہ میں سے ترمذی میں اسی طرح سعد الخرکوشی کی کتاب "اللوامع" اور "شرف النبی" میں۔ سمعانی کی کتاب "الفضائل" میں ثعلبی کی کتاب "[illegible]" میں۔ واحدی کی کتاب "الوسیط" میں۔ اور امام احمد بن حنبل کی کتاب "الفضائل" [illegible]

فرما رہے ہیں کہ:

نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكُمَا وَنِعْمَ الْعَدْلَانِ أَنْتُمَا

(تمہارا اونٹ بہترین اونٹ ہے، اور تم دونوں بہترین انصاف کرنے والے ہو) ——— (مناقب آلِ ابی طالب جلد ۳ ص[illegible])

اور عبدالعزیز کے سلسلۂ سند سے منقول ہے کہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مسجد میں) تشریف فرما تھے کہ اسی اثناء میں حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ گھر سے نکل کر آپؐ کی طرف بڑھے۔ جب حضورِ اکرمؐ نے دونوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا اور محسوس کیا کہ اُن کے پہونچنے میں تاخیر ہو رہی ہے تو اپنی جگہ سے اُٹھے، ان دونوں کو اٹھا کر اپنے کاندھوں پر بٹھایا، اور فرمایا:

نِعْمَ الْمَطِيُّ مَطِيُّكُمَا وَنِعْمَ الرَّاكِبَانِ أَنْتُمَا، وَأَبُوكُمَا خَيْرٌ مِنْكُمَا

(بہترین سواری، تمہاری سواری ہے، اور تم دونوں بہترین سوار ہو، اور تمہارے پدر بزرگوار تم سے بھی بہتر ہیں)

حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمایئے: خرکوشی کی کتاب "شرف النبی"

بحوالہ: مناقب آلِ ابی طالب جلد ۳ صفحہ [illegible]

ؤ

خلیفۂ ثانی کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ:

میں نے دیکھا کہ حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ، حضرت رسولِ خداؐ کے کاندھوں پر بیٹھے ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر میں نے کہا: تمہاری سواری تو بہترین ہے۔ تو حضرت رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: اور یہ دونوں بہترین

سوار ہیں۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ جلد ۳، صفحہ ۱۶۱)

اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایات، ہماری بکثرت کتابوں میں، اور برادرانِ اہلسنّت کے متعدد جلیل القدر علماء کی کتابوں میں موجود ہیں، اگر سب کو نقل کیا جائے تو طولِ کلام کا باعث ہوگا۔

ہم نے اسلامی معارف کے ذخیروں میں سے اس جگہ بطورِ اختصار صرف چند احادیث پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ تفصیل کے خواہشمند حضرات ادارہ اصلاح (کھجوا بہار) کی شائع کردہ کتاب "سبطِ اکبرؑ" ملاحظہ فرمائیں۔

خُلقِ حسنؑ

مؤرخین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ حضرت رسولِ خدا کے اہلبیت طاہرین علیہم السلام، حضور اکرمؐ کے منصب ہدایت کے بھی جانشین تھے اور آپؐ کے اخلاقِ کریمانہ کے بھی ورثہ دار۔

چنانچہ جس طرح تاریخوں میں لکھا ہے کہ:

ایک عورت، جو آنحضرتؐ کی طرف سے اپنے دل میں کدورت رکھتی تھی، روزانہ اپنے گھر کا کوڑا آپؐ کے سر پر پھینک دیتی تھی، لیکن آنحضرتؐ نے کبھی اُس خاتون کو سرزنش نہیں کی۔

بلکہ ایک دن جب آنحضرتؐ اُس راستے سے گذرے، اور اس خاتون نے آپؐ کے سرِ اقدس پر کوڑا کرکٹ نہیں پھینکا، تو آپؐ نے لوگوں سے دریافت کیا، اور جب بتایا گیا کہ:

"وہ خاتون بیمار ہے۔ تو آنحضرتؐ اُس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اُس نے جب حضور اکرمؐ کو اپنے گھر دیکھا تو اُسے خیال ہوا کہ شاید آج بدلہ لینے آئے ہیں۔ کہنے لگی کہ:

"آج جب کہ میں بیمار ہوں، آپ مجھ سے انتقام لینے آئے ہیں؟

اور حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ:

"نہیں!۔ بلکہ جب میں نے سُنا کہ تُو بیمار ہے تو تیری عیادت کرنے آیا ہوں۔

یہ سن کر اُس خاتون نے دینِ اسلام قبول کرلیا۔ (نفس المہموم)

تقریباً ایسا ہی واقعہ آپ کے بڑے نواسے، سردارِ جوانانِ جنّت حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ جسے ہم دریائے علوم آلِ محمد علیہم السلام کے شناور علاّمہ مجلسی علیہ الرحمہ کے حوالے سے یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ، "مُبرّد" کا بیان ہے کہ:

شام کے ایک شخص نے حضرت امام حسنؑ پر نظر پڑتے ہی آپ کو نامناسب الفاظ کہنا شروع کر دیئے۔

وہ کافی دیر تک ناشائستہ الفاظ استعمال کرتا رہا، اور امامؑ خاموش رہے جب وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا، تو حضرت امام حسن مجتبیٰ آگے بڑھے، اُسے سلام کیا، اور فرمایا:

أَيُّهَا الشَّيْخُ أَظُنُّكَ غَرِيبًا، وَلَعَلَّكَ شُبِّهْتَ — فَلَوِ اسْتَعْتَبْتَنَا أَعْتَبْنَاكَ، وَلَوْ سَأَلْتَنَا أَعْطَيْنَاكَ، وَلَوِ اسْتَرْشَدْتَنَا أَرْشَدْنَاكَ، وَلَوِ اسْتَحْمَلْتَنَا أَحْمَلْنَاكَ وَإِنْ كُنْتَ جَائِعًا أَشْبَعْنَاكَ وَإِنْ كُنْتَ عُرْيَانًا كَسَوْنَاكَ وَإِنْ كُنْتَ مُحْتَاجًا أَغْنَيْنَاكَ، وَإِنْ كُنْتَ طَرِيدًا آوَيْنَاكَ وَإِنْ كَانَ لَكَ حَاجَةٌ قَضَيْنَاهَا لَكَ، فَلَوْ حَرَّكْتَ رَحْلَكَ إِلَيْنَا وَكُنْتَ ضَيْفَنَا إِلَى وَقْتِ ارْتِحَالِكَ كَانَ أَعْوَدَ عَلَيْكَ، لِأَنَّ لَنَا مَوْضِعًا رَحْبًا، وَجَاهًا عَرِيضًا وَمَالًا كَثِيرًا۔

(اے شیخ! تُو اجنبی معلوم ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کسی شبہہ میں پڑ گیا ہو۔

اب اگر تو میری خوشنودی حاصل کرنا چاہے تو میں تجھے خوش کر سکتا ہوں۔

اگر تو مجھ سے کچھ مانگے تو میں تجھے عطا کروں۔

اگر راستہ بھٹک گیا ہو، اور سیدھی راہ) دریافت کرے تو میں تیری رہنمائی کروں۔

اگر تجھے سواری کی ضرورت ہو تو تیرے لئے سواری فراہم کروں۔

اگر تُو بھوکا ہو تو تجھے کھانا کھلاؤں؟

اگر تیرے پاس لباس نہ ہو تو تجھے لباس عطا کروں۔

اگر تو تنگ دست ہو تو تجھے تونگر بنا دوں۔

اگر بے خانماں ہے، تو تجھے پناہ دوں۔

اور اگر تیری کوئی اور حاجت ہو تو اُسے پورا کروں:

(اے شخص)

اگر تو اپنی سواری کا رُخ ہمارے (گھر کی) طرف موڑے، اور یہاں سے روانگی کے وقت تک میرا ہی مہمان رہے تو تیرے لئے بہت بہتر ہے۔

کیونکہ ہمارا گھر وسیع ہے، عزت بہت بلند ہے اور مال کی (بھی) فراوانی ہے۔

اُس مردِ شامی نے جب یہ اندازِ گفتگو سُنا تو بے اختیار رونے لگا

اور اُس کے مُنھ سے یہ جُملے ادا ہوئے۔

اَشْهَدُ اَنَّكَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فِىْ اَرْضِهٖ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ رُوئے زمین پر آپ ہی حجّتِ خدا ہیں اور خداوندِ عالم ہی اس بات کو سب سے بہتر جانتا ہے کہ اپنے پیغام کا مرکز کن لوگوں کو قرار دے)

پھر بولا کہ:

(جب میں یہاں آیا تو) میرے دل میں آپ اور آپ کے والد کی سخت عداوت تھی، لیکن اب تمام مخلوقات میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ آپ ہی ہیں۔

پھر اُس نے اپنی سواری کا رُخ آپؑ کے گھر کی طرف کیا، اپنی روانگی تک آپؑ ہی کا مہمان رہا، اور آپ کے عقیدت مندوں اور چاہنے والوں میں شامل ہو گیا)

اور یوں امام علیہ السلام کے اخلاقِ کریمانہ نے اسے جہنم کی ہولناک وادی سے نکال کر جنت الفردوس کی نعمتوں، اور ابدی راحتوں کا حقدار بنا دیا۔

حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے "بحارالانوار"
جلد ۴۳ صفحہ ۳۴۳

عِبَادت

خالقِ کائنات نے عبادت کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اُسے مقصدِ حیاتِ انسانی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

(اور ہم نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا، مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں)

(سورہ مبارکہ "الذاریات" آیت ۵۶)

اس آیت سے، انسانی زندگی کے اعلیٰ و ارفع نصب العین پر روشنی پڑتی ہے، اور ضمناً اس بات کی نشاندہی بھی، کہ خداوندِ عالم نے جن و انس کو کسی اور کی بندگی کے لئے نہیں پیدا کیا، بلکہ اپنی عبادت و بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ کیونکہ "خدا" ہی ان سب کا خالق ہے، اور جب وہی خالق ہے تو پھر کسی اور کو کیا حق پہنچتا ہے کہ یہ اُس کی بندگی کریں، اور یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ان کا خالق تو کوئی "اور" ہو، اور یہ بندگی کسی اور کی کرتے پھریں۔؟

اور اگرچہ تمام مخلوقات کا خالق اللہ ہی ہے، لیکن آیت میں خصوصیت سے جنوں اور انسانوں کا ذکر اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ:

زمین پر جن اور انسان ہی ایسی مخلوق ہیں جن کو یہ آزادی بخشی گئی ہے کہ وہ اپنے دائرہِ اختیار میں اللہ کی بندگی کرنا چاہیں تو کریں، ورنہ بندگی سے منہ بھی موڑ سکتے ہیں۔

اور ان دونوں کے علاوہ مخلوقات میں سے کسی کو یہ آزادی عطا نہیں کی گئی ہے۔ البتہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ جنوں اور انسانوں کو یہ آزادی تو ضرور عطا کی گئی ہے لیکن انھیں حکم یہی ہے کہ خدا کے علاوہ کسی اور کی ہرگز عبادت نہ کریں، چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ

(اور تمہارے پروردگار کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔ سورہ مبارکہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ آیت ۲۳)

اور اسی بات کو ایک اور جگہ یوں کہا گیا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۔

(فرماں روائی تو صرف اللہ کے لئے ہے (جس کا) یہ فرمان ہے کہ تم لوگ اُس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔

(سورہ یوسف آیت ۴۰)

اور کبھی اپنی نشانیوں کا تذکرہ کرکے اُن پر فکر و تدبّر کی دعوت دی اور اسی کے ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر کہیں اُنکی عظمت کے آگے سرنگوں نہ ہوجانا اور انھیں معبود نہ ماننے لگنا، بلکہ ان کی عظمت و جلالت دیکھ کر، ان کے خالق کی عظمت و جلالت کا احساس کرنا اور بس اسی کے آگے سر جھکانا، چنانچہ

ارشاد ہوا کہ:

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ

(اور اسی کی نشانیوں میں سے رات اور دن، اور آفتاب و ماہتاب ہیں، تم لوگ سورج کو سجدہ نہ کرنا اور نہ چاند کو (بلکہ) اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان (تمام چیزوں) کو پیدا کیا ہے)

(سورہ حم السجدہ آیت ۳۷)

اور جو لوگ غیر خدا کی عبادت کرتے ہیں، مالکِ دوجہاں نے انکی اس بے عقلی پر افسوس بھی کیا ہے اور اُن کے طرزِ عمل پر نفرین بھی فرمائی ہے، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

(تُف ہے تم لوگوں پر، اور اُن (چیزوں پر) جن کی تم لوگ خدا کے سوا، عبادت کرتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے)!۔

سورہ مبارکہ الانبیاء آیت ۶۷)

اور قرآن مجید میں یہ واحد موقع ہے کہ خالقِ دوجہاں نے کسی کو "اُف" یا "تُف" کہہ کر مخاطب کیا ہو۔

کیونکہ یہ انتہائی بے عقلی کی بات ہے کہ انسان اپنے جیسی مخلوقات کو خالق مانے اور جو خالقِ حقیقی ہے، اسے اپنا خالق تسلیم نہ کرے۔

اور جو لوگ خداوندِ عالم کی ذات و صفات پر یقین رکھتے ہوئے اُس کی عبادت کرتے ہیں اُن کی خصوصی طور سے تعریف و توصیف فرمائی جیساکہ ارشادِ قدرت ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ.

(یقیناً صاحبانِ ایمان نے فلاح پائی، جو حالتِ نماز میں بھی خدا سے ڈرتے رہتے ہیں (خشوع و خضوع سے عبادت کرتے ہیں))

اور ان عبادت گذاروں کی مزید مدح و ثناء کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ. وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ. الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ.

(اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد (و پیمان) کا لحاظ کرنے والے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، یہی وراثت پانے والے ہیں، جو فردوس کے وارث بنیں گے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(ملاحظہ فرمایئے: سورۃ المومنون: آیت ۱، ۲، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱)

ان آیتوں پر غور کریں، اور اسلامی تاریخ میں اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام کی عبادت کا انداز دیکھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا:

خالقِ دوجہاں اہلبیتِ طاہرینؑ کا قصیدہ پڑھ رہا ہے۔

اور پروردگارِ عالم کی طرف سے بار بار یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ:

کامیاب وہ ہے جو رضائے پروردگار کا نمونہ بن جائے۔ جو قلب و جوارح کی پوری یکسوئی کے ساتھ رب کی بارگاہ میں سربسجود نظر آئے۔

اللہ کی عظمت و جلالت کا احساس اس کے دل کی گہرائیوں میں اس طرح ثبت ہو کہ وہ اس کے لئے ہر شے کی قربانی پیش کرنے پر آمادہ نظر آئے اور خوف و خشیتِ پروردگار کی منزل میں، تمام بنی نوعِ انسان سے منفرد اور ممتاز نظر آئے۔ اور اسلامی تاریخ کا ادنیٰ سا مطالعہ بھی انسان پر اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لئے کافی ہے کہ: "عبادت آلِ محمدؑ کا شعار اور طرۂ امتیاز ہے، اُن سے بہتر عبادت گذار کائنات میں نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

ان کی ایک ایک ضربت جن و انس کی عبادتوں پر بھاری ہو جاتی ہے۔

اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام بھی ان ہی اہلبیتِ طاہرینؑ کے ایک فرد ہیں جنھوں نے خوفِ خدا میں بے پناہ گریہ کیا۔ (ملاحظہ فرمایئے: محاضرات [illegible])

امالی شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی روایت ہے، مفضل بن عمر سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

حَدَّثَنِيْ اَبِيْ، عَنْ اَبِيْهِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ كَانَ اَعْبَدَ النَّاسِ فِيْ زَمَانِهِ وَاَزْهَدَهُمْ وَاَفْضَلَهُمْ.

(میرے پدر بزرگوار نے مجھ سے بیان کیا، انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے نقل کیا ہے کہ:

حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عبادت گذار، سب سے زیادہ زاہد و پرہیزگار اور سب سے افضل و اشرف تھے۔

(ملاحظہ فرمایئے: امالی شیخ صدوق، بحار الانوار: ۴۳: ۳۳۱)

مکارمِ اخلاق

آپؑ کے مکارم اخلاق کے بارے میں جو روایات عالم اسلام کی معتبر کتابوں میں نہایت موثق ذرائع سے منقول ہیں۔ وہ آپؑ کے زہد تقویٰ، پرہیزگاری، حسنِ اخلاق، عبادت و اخلاص اور للّہیت کی ایک نہایت درخشندہ و تابندہ تصور پیش کرتی ہیں۔

ہم اس مختصر کتاب میں اُن میں سے چند روایات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد کے سلسلۂ سند سے بیان کیا ہے کہ:

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام جب حج کے لئے تشریف لے جاتے تو پیدل سفر کرتے، اور کبھی کبھی تو ننگے پیر ہوتے تھے۔۔

(بحار الانوار جلد ۴۳ - صفحہ ۳۳۱)

اس سلسلہ میں بعض مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ:

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو سواری ساتھ ساتھ موجود ہوتی تھی، لیکن امام علیہ السلام پیدل چلتے تھے۔

اس سلسلہ میں فقہی احادیث کے مشہور و معروف مجموعے "وسائل الشیعہ" کے مؤلف جناب "حر عاملی" نے اپنی کتاب "فوائد" میں تحریر فرمایا ہے کہ:

میں حج بیت اللہ کا تیسرا سفر کر رہا تھا کہ ایک مقام پر آنکھ لگ گئی، میں نے خواب میں دیکھا کہ:

کسی شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ:

آخر اس کا کیا راز ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام حج بیت اللہ کے لئے پیدل چلتے تھے، اور سواریاں اُن کے ساتھ چلا کرتی تھیں۔؟

تو میں نے حسب ذیل جوابات دیئے (کہ خود پیدل چلنے کے باوجود سواری ساتھ رکھنے کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں):

(۱) لوگ پیسہ بچانے کے لئے پیدل حج نہ کریں۔
(۲) اس قسم کی بدگمانی امامؑ کے بارے میں نہ ہو۔
(۳) پیدل حج کے استحباب کا اعلان ہو جائے۔
(۴) راہ خدا میں مال خرچ کیا جائے اور سواریوں کا بندوبست کیا جائے۔
(۵) عرفات وغیرہ میں ان سواریوں سے استفادہ کیا جا سکے۔
(۶) اگر خدانخواستہ، پیدل چلنا ناممکن ہو جائے تو سواری کام آ سکے۔
(۷) دل مطمئن رہے کہ سواری ساتھ میں موجود ہے، جیسا کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: جسے پانی کا اطمینان ہوتا ہے اُسے (زیادہ) پیاس نہیں لگتی ہے۔
(۸) حج سے واپسی کے موقع پر سوار ہو کر جا سکیں۔
(۹) کمزور لوگوں کی مدد کی جا سکے اور راستے میں جہاں ضرورت محسوس ہو، انھیں سوار کیا جا سکے۔

(۱۰) اگر راستے میں ڈاکو وغیرہ ہوں تو سواری کے ذریعہ سے ان سے نجات حاصل کی جاسکے۔

(۱۱) سواریاں برکت کے طور پر، مکّہ و عرفات و مزدلفہ و منیٰ میں حاضر رہیں۔

(۱۲) اپنی جلالتِ قدر کا بھی اعلان ہوجائے کہ (حج کے لئے پیدل جو تشریف لے جارہے ہیں) یہ غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے نہیں ہے۔

(۱۳) اس امر کا اعلان بھی ہوجائے کہ پروردگار کی نعمتیں مُسلسل شاملِ حال ہیں۔

(۱۴) اگر راستے میں کسی جگہ دشمنوں سے جنگ وغیرہ کی نوبت آجائے تو سواریوں سے استفادہ کیا جاسکے۔

(بحوالہ: "ذکر و فکر")

چنانچہ "قرب الاسناد" میں ابنِ بکیر کی روایت ہے کہ:

"میں نے حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ:

"ہم نے سُنا ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے بیس پاپیادہ حج کئے تھے؟

تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ حَجَّ وَيُسَاقُ مَعَهُ الْمَحَامِلُ وَالرِّحَالُ۔

حضرت امام حسن علیہ السلام حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو سواریاں اور اسبابِ سفر، ان کے ساتھ ساتھ لے جایا جاتا تھا۔

(بحار الانوار جلد ۴۳، صفحہ ۳۳۱)

اس حدیث کا لب و لہجہ، ان تمام توجیہات کی تائید و تصدیق کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو جناب حُرّ عاملی نے "فوائد" میں تحریر فرمائی ہیں۔

"معجزات"

پروردگارِ عالم، ہادیانِ برحق کو مخصوص معجزات و کرامات سے نوازتا ہے۔ تاکہ بنی نوعِ انسان کے لئے اُن کے منصبِ ہدایت کو قبول کرنا آسان ہو۔

اس سلسلہ میں "مدینۃ المعاجز" نامی کتاب میں حضرت رسولِ خداؐ سے حضرت قائم آلِ محمدؐ امام زمانہ علیہ السلام تک ہر معصوم کے سیکڑوں واقعات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی "بحار الانوار" میں ہر معصوم کے حالاتِ زندگی کے ضمن میں: "مَعَاجِزُ اُمَّتِہٖ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ" کے عنوان سے متعدد واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔

ہم اس مختصر کتاب میں تبرکاً ایک دو واقعات نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

بصائر الدرجات میں ہیثم نہدی نے اسماعیل بن مہران سے روایت کی ہے کہ ....

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ایک دفعہ عمرہ کرنے تشریف لے جارہے تھے، آپ کے ساتھ اولادِ زبیر میں سے ایک مردِ مومن بھی تھا۔

راستہ میں یہ لوگ کھجور کے ایک خشک درخت کے نیچے اقامت پذیر ہوئے جو پانی نہ ملنے کی وجہ سے خشک ہوچکا تھا۔

حضرت امام حسن علیہ کے لئے اُس درخت کے نیچے اور زبیری

کے لئے اس کے سامنے ایک اور درخت کے نیچے بستر لگایا گیا تھا۔

زبیری نے درختوں کو دیکھا اور کہا کہ:

"کاش ان درختوں پر کھجوریں ہوتیں تو ہم لوگ (کچھ تازہ کھجوریں) کھاتے!

یہ سُن کر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"کیا تم تازہ کھجوریں کھانا چاہتے ہو؟"

زبیری نے کہا: جی ہاں!

یہ سُن کر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں کا رُخ آسمان کی طرف کیا، اور کچھ دُعائیں پڑھنی شروع کیں، جنھیں زبیری نہ سمجھ سکا۔

(جیسے ہی امام علیہ السلام نے دُعا فرمائی) درخت ہرا بھرا ہوگیا، اس میں خوشے نکل آئے، اور تازہ کھجوریں لگ گئیں۔

یہ دیکھ کر، وہ شتربان، جو کرائے پر ان کے ساتھ چل رہا تھا کہنے لگا کہ:

"واہ! یہ تو جادو لگتا ہے! (کہ ابھی دُعا مانگی، ابھی تازہ پھل آگئے)

یہ سُن کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

...لَیْسَ بِسِحْرٍ، وَلٰکِنْ دَعْوَۃُ ابْنِ النَّبِیِّ مُجَابَۃٌ

(یہ جادو نہیں ہے۔ بلکہ فرزندِ پیغمبرؐ کی اُس دعا کا اثر ہے، جو بارگاہِ معبود میں) مستجاب ہے)

پھر اُن لوگوں نے درخت سے وہ کھجوریں توڑیں، تو اتنی تھیں جو اُن لوگوں کے لئے کافی ہوں۔

(ملاحظہ فرمائیے: بحار الانوار، جلد ۴۳، صفحہ ۳۲۳)

اور کتاب "الخرائج" میں مندل بن اسامہ سے منقول ہے کہ ...
حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، مدینہ منورہ سے پا پیادہ، مکہ معظمہ جا رہے تھے کہ (مسلسل چلنے سے) آپ کے پیروں پر ورم آگیا۔
لوگوں نے عرض کیا کہ: اگر آپ سواری پر بیٹھ کر تشریف لے جائیں، تو پیروں کو آرام مل جائے گا۔؟
آپ نے فرمایا کہ: نہیں (سواری پر تو میں نہیں بیٹھوں گا)۔ البتہ جب ہم اگلی منزل پر پہونچیں گے تو ایک حبشی آدمی ہمارا استقبال کرے گا، اس کے پاس ایک ایسا روغن ہوگا جس کو (ملنے سے) اس سوجن کو (بہت) آرام ملے گا۔ (جب وہ آدمی ملے تو) تم لوگ اس سے وہ روغن خرید لینا اور قیمت کے سلسلہ میں) مول تول مت کرنا۔
یہ سن کر خدمت گاروں میں سے کسی نے کہا کہ:
ہمارے راستے میں تو کوئی ایسی جگہ نہیں آئے گی، جہاں ایسا روغن بکتا ہو۔!
امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:
ابھی آگے وہ بستی آنے ہی والی ہے۔
پھر قافلہ چند میل آگے بڑھا تھا، کہ ان کا استقبال ایک حبشی آدمی نے کیا، جسے دیکھ کر امام علیہ السلام نے اپنے خدمت گار سے کہا کہ:
وہ حبشی آدمی آگیا ہے، پیسے دے کر اس سے روغن لے لو۔
جب خدمت گار اس حبشی کے پاس پہنچا، تو اس نے پوچھا کہ:
تم یہ روغن کس کے لئے خرید رہے ہو؟
اس نے کہا: حضرت امام حسنؑ کے لئے۔

حبشی نے کہا کہ: مجھے اُن کی خدمت میں لے چلو۔
جب وہ خدمتِ امام علیہ السلام میں حاضر ہوا تو کہنے لگا:
اے فرزندِ رسولؐ، میں آپ کے فرماں برداروں میں سے ہوں، آپ سے اس روغن کی قیمت نہیں لوں گا، البتہ آپ میرے لئے دعا فرمائیے کہ:
مجھے خداوندِ عالم ایک ایسا فرزند عطا کرے جو صحیح سالم و تندرست ہو، اور آپ اہلبیتِ طاہرینؑ سے محبت کرنے والا ہو۔ میں گھر سے چلا ہوں تو میری زوجہ کے یہاں ولادت نزدیک تھی۔
یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:
تم اپنے گھر جاؤ، کیونکہ خداوندِ عالم نے تمھیں فرزند عطا فرمایا ہے۔
یہ سن کر وہ حبشی فوراً واپس گیا، گھر پہونچا تو اس کی زوجہ، اس کے تندرست و توانا بیٹے کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔
وہ حبشی دوبارہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کی بارگاہ میں اظہارِ عقیدت و مسرت کیا۔ (بحار: ۴۳ : ۳۲۴)

• "مناقب آلِ ابی طالب" کی روایت ہے کہ:
ایک شخص نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے خلاف جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ: میرے ایک ہزار دینار امامؑ کے ذمہ باقی ہیں۔
جب معاملہ قاضی کے پاس پہنچا، اور قاضی نے امام علیہ السلام سے دریافت کیا... تو امامؑ نے فرمایا کہ:
اگر یہ شخص قسم کھالے تو میں اُسے مطلوبہ رقم دے دوں گا۔

قاضی نے اُس شخص سے کہا کہ، اس طرح قسم کھاؤ :

بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ....

تو امام علیہ السلام نے کہا کہ :

ان الفاظ کی ضرورت نہیں ہے بس اتنا کہہ دے کہ :

بِاللّٰہِ اِنَّ لَکَ عَلَیَّ ھٰذَا

(کہ، خدا کی قسم تمہارا یہ حق امامؑ کے ذمہ باقی ہے)

اُس شخص نے ان ہی الفاظ کے ساتھ قسم کھالی — اور امامؑ نے وہ رقم اُس کے حوالہ کردی۔

لیکن ابھی وہ شخص رقم لے کر اٹھا ہی تھا کہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا اور مر گیا— اور سب لوگوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اُس شخص نے چونکہ امامِ وقت کے خلاف جھوٹی قسم کھائی ہے اس لئے فوری طور پر عذابِ خداوندی میں گرفتار ہوا۔

البتہ لوگ یہ نہیں سمجھ سکے کہ امام علیہ السلام نے عبارت کیوں تبدیل کرائی تھی؛

چنانچہ اس سلسلہ میں آپ سے دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ:

اگر وہ خداوندِ عالم کی حمد و ثنا اپنی زبان پر جاری کرتا، تو اُس کے عذاب میں تاخیر ہوسکتی تھی (جس کی وجہ سے لوگوں پر اُس کی غلط بیانی کا راز فاش نہ ہوتا)

(بحار الانوار جلد ۴۴ صفحہ ۳۲۷)

اس سلسلہ میں "الخرائج" کی ایک اور روایت پیش کرکے ہم اس

گفتگو کو اختتام تک پہونچاتے ہیں۔

عبدالغفار الجازی سے منقول ہے کہ ...

حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے، آپؑ نے اُن دونوں میں سے ایک سے فرمایا کہ :

"تم نے گذشتہ شب، فلاں شخص سے یہ یہ باتیں کی ہیں؟"

یہ سُن کر اُسے تعجب ہوا اور کہنے لگا کہ: کیا (مخفی باتیں بھی) اِن کو معلوم ہو جاتی ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ :

اِنَّا لَنَعْلَمُ مَا یَجْرِیْ فِی اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ۔

(جو کچھ روز و شب کے دوران پیش آتا ہے ہم سب جانتے ہیں)

پھر فرمایا کہ :

اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی عَلَّمَ رَسُوْلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ الْحَلَالَ وَ الْحَرَامَ، وَالتَّنْزِیْلَ وَ التَّاْوِیْلَ، فَعَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ عَلِیًّا عِلْمَہٗ کُلَّہٗ

(خداوند عالم نے اپنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حلال و حرام، تنزیل و تاویل (سب کا) علم عطا فرمایا اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے (سب باتوں کا علم) حضرت علیؑ کو عطا فرمایا۔

اور اس طرح امام علیہ السلام نے وضاحت فرمادی کہ :

ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ارشادات و فرامین پر کوئی شخص تعجب نہ کرے کیونکہ یہ حضرات، وہی باتیں فرماتے ہیں، جو ان کے جدِ بزرگوار حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ سے اُن تک پہونچی ہیں۔ اور حضورِ اکرمؐ نے وہی کچھ فرمایا ہے، جو خداوندِ عالم نے وحی کے ذریعہ اُن کی خدمت میں بھیجا۔

زُہد و پارسائی

"مناقب آلِ ابی طالبؑ" نامی کتاب میں "روضۃ الواعظین" کے حوالے سے منقول ہے کہ:

حضرت امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام جب وضو فرماتے تھے تو آپ کے چہرہ اقدس کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ اور اعضاء و جوارح پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔

کسی شخص نے اس کے بارے میں امامؑ سے دریافت کیا، تو آپؑ نے فرمایا کہ:

حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مَنْ وَقَفَ بَیْنَ یَدَیْ رَبِّ الْعَرْشِ اَنْ یَصْفَرَّ لَوْنُہٗ وَتَرْتَعِدَ مَفَاصِلُہٗ۔

ہر وہ شخص جو خداوندِ عالم کے سامنے کھڑا ہو، اُس پر اللہ کا یہ حق ہے کہ (اُس کی ہیبت سے) اُس شخص کا چہرہ زرد ہو جائے اور اعضاء پر کپکپی طاری ہو جائے۔

(ب ۱ : ۴۳ : ۳۳۹)

وَ

نیز یہ بھی منقول ہے کہ:

جب آپ نماز کے لئے مسجد کے دروازے پر پہونچتے تو سرِ مبارک اٹھا کر (آسمان کی طرف دیکھتے، اور) فرماتے تھے:

اِلٰہی ضَیْفُکَ بِبَابِکَ یَا مُحْسِنُ قَدْ اَتَاکَ الْمُسِیُٔ۔
فَتَجَاوَزْ عَنْ قَبِیْحِ مَا عِنْدِیْ بِجَمِیْلِ مَا عِنْدَکَ یَاکَرِیْمُ

۶

اور جب نمازِ صبح سے فارغ ہوتے تو طلوعِ آفتاب تک کسی سے کوئی گفتگو نہ کرتے بلکہ مسلسل تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے جیسا کہ قرآن مجید میں خالقِ دوجہاں نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ، وَتُسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا۔

(تاکہ تم لوگ خدا اور رسولؐ پر ایمان (ویقین) رکھو، ان کی تائید کرو، ان کی توقیر کرو، اور (خدا کی) تسبیح صبح و شام کرو)۔

(سورہ مبارکہ الفتح آیت ۹)

اس سلسلہ میں امام راغب اصفہانی کی یہ عبارت بھی قابلِ لحاظ ہے کہ:

"عبادت آلِ محمدؐ کا شعار اور ان کا طرۂ امتیاز ہے، ان سے بہتر عبادت گذار کائنات میں نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے، ان کی ایک ضربت عبادتِ ثقلین پر بھاری ہو جاتی ہے۔ امام حسنؑ بھی ان ہی آلِ محمدؐ کے ایک فرد ہیں جنھوں نے خوفِ خدا میں بے پناہ گریہ کیا۔"

ملاحظہ فرمایئے: محاضراتِ راغب)

۶

اسی طرح عالمِ اسلام کی مشہور کتابوں میں یہ جو تذکرہ جابجا نظر

آتا ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنا سارا مال راہِ خدا میں بار بار تقسیم کیا۔۔۔ یہ بھی آپؑ کے زہد کا نہایت واضح نمونہ ہے۔

حوالہ کے لئے دیکھئے برادرانِ اہلسنت کی کتاب:
حلیۃ اولیاء۔ اسد الغابہ۔ تذکرۃ الخواص وغیرہ۔

۶

عبادت میں آپ کا کیسا استغراق ہوتا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ:

جب ۴۰ھ ہجری میں ۱۹ رمضان المبارک کی صبح، نماز کے دوران آپؑ کے والد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سرِ اقدس پر ابنِ ملجم ملعون نے ضرب لگائی، جس سے آپ کا سرِ اقدس شگافتہ ہو گیا اور آپؑ خون میں نہا گئے۔۔۔ تو آپؑ نے اپنے فرزندِ اکبر حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، اور آپ نے ایسے سنگین حالات اور نازک موقع پر بھی نہایت درجہ خضوع و خشوع اور اخلاصِ قلب کے ساتھ نماز پڑھائی۔

شجاعت و بہادری

تاریخ کی جانی پہچانی حقیقت بھی ہے، اور مذہب کے عقائد و مسلمات میں سے بھی، کہ:

خداوندِ عالم جن لوگوں کو ہدایتِ بشر کی ذمہ داری سپرد کرتا ہے، انھیں تمام اوصاف و کمالات میں سب سے ممتاز بھی قرار دیتا ہے، تاکہ کسی انسان کے لئے اُن کو ہادی و رہنما تسلیم کرنے میں کسی قسم کا تامل و تردد نہ رہے۔

ان صفاتِ حمیدہ میں ایک نہایت اہم صفت: شجاعت و بہادری ہے۔

جیسا کہ قرآنِ مجید میں جناب طالوتؑ کے تذکرے میں یہ بات موجود ہے کہ جب خداوندِ عالم نے انھیں قوم کے لئے حکمران مقرر کیا، تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ:

طالوت سے زیادہ مال و دولت تو ہمارے پاس ہے۔ جب کہ اُن کے پاس دولت کی فراوانی بھی نہیں، تو وہ ہم پر حکمرانی کیسے کر سکتے ہیں۔؟

خداوندِ عالم نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ وہ علم و شجاعت میں ممتاز ہیں۔

گویا یہ اس بات کی بھی وضاحت تھی کہ:

الہٰی نمائندے کے لئے مال و دولت ہونا ضروری نہیں ہے؛ وہ علم و شجاعت کا در شد دار ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا، قَالُوْا: اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا، وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ

مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ، قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ، وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

اور ان لوگوں سے اُن کے پیغمبر نے کہا کہ:

خداوندِ عالم نے تمہارے لئے طالوتؑ کو سلطان (و فرمانروا) مقرر کیا ہے۔

اُن لوگوں نے کہا کہ:

اُن کو ہم پر کیسے سلطنت مل سکتی ہے؟ جبکہ اس سلطنت کے تو، اُن سے زیادہ ہم خود ہی حقدار ہیں، اور اُن کو تو مال کی کشادگی (اور فراوانی) بھی نہیں دی گئی ہے۔!؟

(پیغمبر نے) فرمایا کہ:

اُن کو خداوندِ عالم نے، تم پر برگزیدہ قرار دیا ہے، اور انھیں علم اور جسم (کی طاقت) میں برتری عطا کی ہے۔

اور خدا جسے چاہتا ہے اپنی سلطنت عطا کرتا ہے، اللہ (بہت) گنجائش والا (اور) خوب باخبر ہے)

(ملاحظہ فرمایئے: سورۃ البقرہ پارہ ۲ آیت ۲۴۷)

؎

انبیائے کرام علیہم السلام اپنے دور میں سب سے زیادہ شجاع و بہادر ہوئے، اسی طرح حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام بھی شجاعت و بہادری کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔

اب یہ اور بات ہے کہ کسی کو شجاعت و بہادری کے اظہار

سے مواقع کم ملیں کسی کو زیادہ! اسی طرح شجاعت کا انداز بھی مختلف ہو سکتا ہے۔

سلسلۂ امامت کے پہلے تاجدار، امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں اپنوں اور غیروں، مسلموں اور غیر مسلموں، سب ہی نے تحریر تحریر فرمایا ہے کہ:

كَانَ اَشْجَعُ النَّاسِ

(وہ تمام لوگوں سے زیادہ بہادر تھے)

جس کی گواہی اسلامی تاریخ کا ہر طالبِ علم دے سکتا، او حیاتِ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو جنگیں لڑی گئیں، یا مولائے کائناتؑ نے اپنے دورِ حکومت میں مخالفین سے معرکہ آرائی میں شجاعت کے جو جوہر دکھائے، انھیں کون جھٹلا سکتا ہے۔

اسی طرح سبطِ اکبر، فرزندِ پیغمبرؐ، حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام بھی شجاعت و بہادری میں انتہائی ممتاز تھے۔

قوتِ قلب کا ایک مظاہرہ تو آپ نے اپنی کمسنی کے زمانہ میں اس وقت ہی فرمادیا تھا، جب وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد، کچھ اور لوگ "منبرِ رسولؐ" پر قابض ہو گئے، تو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے "خلیفۂ وقت" کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ۔۔۔!

"میرے باپ کے منبر سے اترو، اور اپنے باپ کے منبر پر جاکر بیٹھو۔"

اور میدانِ کارزار میں شجاعت و جواں مردی کے نمایاں کارنامے اس وقت انجام دیتے جب مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کے دورِ حکومت میں جنگِ جمل، جنگِ صفین، جنگ نہروان کے معرکے پیش آئے۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے پدرِ بزرگوار کے ساتھ ساتھ شجاعت و جوانمردی کے وہ جوہر دکھلائے جو تاریخ میں بے مثال ہیں۔

اس سلسلہ میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے مناقب آلِ ابی طالبؑ" کے حوالہ سے یہ واقعہ لکھا ہے کہ:

ایک موقع پر حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے فرزند جناب محمد بن حنفیہ کو ایک نیزہ دے کر اہلِ جمل کی طرف روانہ کیا، مگر بنو ضبہ سدِ راہ ہوئے اور محمد بن حنفیہ واپس آگئے۔

تو حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان کے ہاتھ سے وہ نیزہ لیا اور بھرپور انداز سے حملہ کرنے اور دشمن کا کام تمام کرنے کے بعد اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس حالت میں کہ۔۔۔ نیزے پر خون کے نشان نمایاں تھے۔

جب محمد حنفیہ نے افسردگی سے دیکھا، تو امیر المومنین نے محمد حنفیہ کو مخاطب کرکے فرمایا:

"غمزدہ نہ ہو، کیونکہ تم (صرف) علیؑ کے بیٹے ہو، اور یہ فرزندِ پیغمبرؐ ہیں۔"

(بحار الانوار جلد ۴۳ صفحہ ۳۴۵)

آپؑ کا جود و کرم

خاندانِ رسالت کی عظیم المرتبت ہستیاں، سخاوت اور جود و کرم میں اس قدر ممتاز تھیں کہ اغیار بھی ان کا اعتراف کرتے تھے۔

چنانچہ منقول ہے کہ:

"خلیفۂ ثالث" مسجد کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ ایک سائل آیا اس نے سوال، تو انہوں نے مختصر سے سکّے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ جس سے اس کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے کہا کہ مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ بتائیے جو میری ضرورت پوری کر سکے۔

تو انہوں نے مسجد کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا، جہاں حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور جناب عبداللہ بن جعفر بیٹھے تھے۔ (خلیفۂ ثالث نے) کہا کہ ان لوگوں کے پاس چلے جاؤ، تمہاری حاجت پوری ہو جائیگی۔

چنانچہ وہ شخص اُن حضرات کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کیا، اور اپنی حاجت پیش کی

امام حسن مجتبیٰؑ علیہ السلام نے اس سے فرمایا۔

يَا هٰذَا اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا فِيْ اِحْدٰى ثَلَاثٍ : دَمٍ مُفْجِعٍ اَوْ دَيْنٍ مُقْرِحٍ اَوْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ، فَفِيْ اَيِّهَا تَسْأَلُ

(اے شخص، دستِ سوال پھیلانا اسی وقت مناسب ہے، جب

مندرجہ ذیل تین باتوں میں سے کوئی ایک درپیش ہو۔

۱۔ جان کا خطرہ ہو۔

۲۔ یا جان لیوا قرض ہو۔

۳۔ یا ایسی تنگ دستی ہو جو انسان کو جھنجوڑ کر رکھ دے۔

بتاؤ! تم نے ان میں سے کس بنا پر دستِ سوال پھیلایا ہے)؟

اس شخص نے کہا کہ: اے فرزندِ رسولؐ، ان ہی تین باتوں میں سے ایک درپیش ہے۔

یہ سن کر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اُسے سونے کی پچاس اشرفیاں عطا فرمائیں، حضرت امام حسینؑ نے انچاس اشرفیاں مرحمت فرمائیں، اور جناب عبداللہ بن جعفر نے اس شخص کو اڑتالیس اشرفیاں دیں۔ ۞

وہ شخص روانہ ہونے لگا تو دروازے پر خلیفۂ ثالث سے پھر ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا کہ تم نے کیا کیا۔؟

اس شخص نے کہا کہ: میں نے جب تمہارے سامنے دستِ سوال پھیلایا تھا تو تم نے میری ضرورت کے بارے میں کچھ بھی نہیں دریافت کیا

۞ مذکورہ روایت میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ کون سے حالات ہیں جن میں دستِ سوال پھیلانا درست ہوتا ہے۔

اس میں تمام بنی نوعِ انسان کے لئے یہ درس بھی ہے کہ انسان حتی الامکان اپنی حاجت کسی کے سامنے بیان دکرے اور جہاں تک ہو سکے اپنی عزتِ نفس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے

اسی کے ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ:

جب امام کو اس شخص کی [illegible] کا پتہ چلا تو آپ نے بہترین طریقے سے اس کی مدد کی۔

نیز یہ ادب بھی نظر آتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے [illegible] اپنے بھائی سے ایک اشرفی کم دی۔ اور جناب عبداللہ بن جعفر نے حضرت امام حسینؑ سے ایک اشرفی کم اس سائل کو دی، تاکہ حفظِ مراتب ملحوظ رہے (یعنی سب سے بزرگ ہیں ان کا عطیہ بھی سب سے بڑا رہے)۔

ان لوگوں کے پاس بھیج دیا۔

میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک تین باتوں میں سے کوئی ایک درپیش نہ ہو، دستِ سوال نہیں پھیلانا چاہیئے (اور امامؑ نے وہ تینوں صورتیں بیان کردیں جن کی خاطر دستِ سوال پھیلایا جاسکتا ہے)

میں نے اُن سے کہا کہ: مجھے ان ہی باتوں میں سے ایک درپیش ہے

یہ سُن کر امام حسنؑ نے مجھے ۵۰ اشرفیاں، امام حسینؑ نے ۴۹ اشرفیاں اور جناب عبداللہ بن جعفر نے ۴۸ اشرفیاں عطا فرمائیں۔

(اور اب میں اتنا زیادہ مال و دولت یہاں سے لے جارہا ہوں۔

تو ان صاحب نے کہا کہ:

ان تینوں حضرات جیسا کون ہوسکتا ہے؟ یہ لوگ صاحبِ علم و دانش بھی ہیں اور مخزنِ خیر و حکمت بھی۔

(حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے بحارالانوار جلد ۴۳ صفحہ ۳۳۳)

منقول ہے کہ:

ایک شخص نے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا

اے فرزندِ رسولؐ! آپ کو اُس ذاتِ برحق کا واسطہ جس نے آپ کو فضل و شرف اور انعام و اکرام سے نوازا ہے۔

میں آپ کی خدمت میں اپنے ایک ایسے دشمن کی فریاد لے کر آیا ہوں، جو بہت ہی ظالم اور بیداد کرنے والا ہے، نہ کسی بزرگ کا احترام کرتا ہے اور نہ چھوٹوں پر اسے رحم آتا ہے۔

امام علیہ السلام جو اُس وقت تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اُس شخص کی یہ بات سُن کر بیٹھ گئے اور دریافت فرمایا کہ:

وہ تمہارا دشمن کون ہے، جس کے بارے میں تم فریاد کررہے ہو؟

اس نے کہا کہ فقر و تنگدستی!

یہ سُن کر امام علیہ السلام نے اپنے خادم کو بُلایا اور اسے حکم دیا کہ:

جو مال و دولت موجود ہو حاضر کرو۔

اس نے پانچ ہزار درہم لاکر امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: اس ضرورت مند کو دے دو۔

اس کے بعد آپ نے اس شخص سے کہا کہ:

اُسی ذات کی قسم، جس کا واسطہ دے کر تم نے سوال کیا تھا، اگر (تمہارا) وہ دشمن دوبارہ تمہارے پاس آئے اور تم پر ظلم و ستم کرے تو تم میرے پاس آجانا، میں تمہیں اُس کے ظلم و ستم سے بچاؤں گا۔

حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔
علامہ مجلسیؒ کی کتاب "بحارالانوار"
جلد ۴۳، صفحہ [illegible] بحوالہ "[illegible]"

ایک دفعہ ایک اعرابی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی حاجت بیان کی، تو آپ نے (اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ) خزانے کے اندر جو کچھ موجود ہے سب دے دیا جائے۔

اُس وقت "بیس ہزار دینار" موجود تھے، وہ سب اُس اعرابی کو دے دیے گئے۔

ابوالحسن مدائنی کی روایت ہے کہ:

حضرت امام حسنؑ، امام حسین علیہما السلام اور جناب عبداللہ بن جعفرؓ ایک مرتبہ مکہ معظمہ کی طرف جارہے تھے کہ اچانک وہ سواریاں جن پر سامان تھا کہیں راستہ بھٹک گئیں، اور یہ حضرات تنہا رہ گئے۔

جب بھوک پیاس لگی تو قریب کی آبادیوں میں ایک خیمہ کے پاس گئے، وہاں ایک بوڑھی عورت تھی، اُس سے مانگ کر پانی پیا۔

پھر ان حضرات کی ضیافت کے لئے اُس خاتون نے اپنی بکری ذبح کرانے کے بعد، پکا کر ان لوگوں کو کھلا دی، جبکہ اُس کے پاس اِس بکری کے کوئی اور جانور نہ تھا۔

کھانے کے بعد ان حضرات نے کچھ دیر وہاں قیام کیا، پھر جب اپنی منزل کی طرف روانہ ہونے لگے تو اُس خاتون سے کہا کہ:

"ہم لوگوں کا تعلق قریش سے ہے، حج بیت اللہ کے لئے جارہے ہیں۔ انشاءاللہ جب ہم صحیح سالم واپس آجائیں تو تم (مدینہ منورہ میں) ہمارے پاس آنا تاکہ ہم بھی تمہارے ساتھ کچھ حُسنِ سلوک کریں۔"

اُن حضرات کے جانے کے بعد جب اُس خاتون کا شوہر گھر آیا، اور خاتونِ خانہ نے اُن مہمانوں کی رُوداد سُنائی تو وہ ناراض ہو کر کہنے لگا:

"قریش کے ایسے چند افراد۔ جن کو تم جانتی بھی نہیں، اُن کی ضیافت کے لئے تم نے وہ واحد جانور، جو ہماری ملکیت میں تھا، ذبح کرا دیا؟"

❁

اس واقعہ کے کافی عرصے کے بعد، جب ان دونوں کو پریشانیوں نے گھیرا تو یہ مدینہ منورہ پہنچے، وہیں زندگی گذارنے لگے، اور وہاں کچھ اونٹ

کی خرید و فروخت شروع کر دی۔

ایک روز وہ خاتون، مدینہ کی گلیوں سے گذر رہی تھی، اس وقت حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے بیت الشرف کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، مگر اُس خاتون نے آپ کو پہچانا نہیں۔

(جب وہ آگے بڑھ گئی تو) امام علیہ السلام نے اپنے خادم کو بھیج کر اُسے بُلوایا، اور پوچھا:

اے کنیزِ خدا! تو ہمیں پہچانتی ہے؟

اُس نے کہا کہ: نہیں۔

آپ نے فرمایا میں وہ شخص ہوں، جو فلاں موقع پر تیرے گھر مہمان تھا (پھر آپ نے پورا واقعہ اُسے یاد دلایا)

اس کے بعد آپ نے اُسے ایک ہزار بکریاں، اور ایک ہزار اشرفیاں مرحمت فرمائیں۔ اور اپنے خادم کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کے پاس بھیجا۔ امام حسینؑ نے بھی اُس خاتون کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں مرحمت فرمائیں۔

پھر اُس خاتون کو خادم کے ساتھ جناب عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیجا۔ انہوں نے بھی اُس خاتون کو اسی قدر جانور اور اشرفیاں دیں۔

ملاحظہ فرمائیے: بحار الانوار، جلد ۴۳، صفحہ ۳۴۹

❁

بعض اربابِ تاریخ کا بیان ہے کہ جب اُن حضرات نے اس خاتون کو اس قدر اموال عطا فرمائے تو اُس نے کہا: میں نے تو آپ لوگوں کے لئے صرف ایک بکری ذبح کرائی تھی، آپ حضرات مجھے اس کے عوض اتنا

مال و دولت دے رہے ہیں۔؟

یہ سُن کر امام علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:

تیرے پاس اُس وقت صرف وہی ایک بکری تھی جو تُو نے ہماری خاطر ذبح کرا دی تھی، اس طرح تُو نے اپنی پوری دولت ہم پر خرچ کر دی تھی۔ جبکہ ہم نے اپنے مال کا صرف ایک ہی حصہ تجھے دیا ہے۔ تو ہم نے زیادہ کیا دیا۔؟

دُنیا والے غور کریں کہ:

ایسے ہوتے ہیں محمدؐ کے گھرانے والے

علم

پروردگارِ عالم نے جس طرح اپنے نمائندوں کو دیگر صفات و کمالاتِ انسانی میں منفرد اور ممتاز قرار دیا ہے اسی طرح "علم" کے اعتبار سے بھی انھیں پوری کائنات میں سب سے افضل و اعلیٰ قرار دیا۔

اور علم تو انسانی زندگی کا وہ طرۂ امتیاز ہے کہ خالقِ دوجہاں نے جب انسانِ اوّل کو پیدا کیا، تو اُن کے سر پر جو تاج رکھا، وہ علم ہی کا تاج تھا، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

(اور خداوندِ عالم نے آدمؑ کو تمام اسماء کا علم عطا فرمادیا)

(سورۂ مبارکہ البقرہ آیت ۳۱)

اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ معبود میں دعا فرمائی تو اُن کی خصوصیت علم عطا کرنا قرار دیا، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

(اے پالنے والے ان لوگوں کے درمیان اِن ہی میں سے ایک رسول مبعوث کرنا جو تیری آیتوں کی ان کے سامنے تلاوت کریں، اور انھیں

کتاب و حکمت کی تعلیم دیں

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۹)

اور سورۂ مبارکہ جمعہ میں ہر ہفتے ہر مسلمان کو حضورِ اکرمؐ کی یہ خصوصیت یاد دلائی جاتی ہے کہ:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

(وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں کے درمیان، ان میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کے سامنے آیات (الٰہی) کی تلاوت کرتے ہیں انھیں پاک پاکیزہ بناتے ہیں، اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اگرچہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے)

(سورۃ الجمعہ، آیت ۲)

۵

اور مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا مشہور فرمان ہے کہ:

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِينَا
لَنَا عِلْمٌ وَلِلْأَعْدَاءِ مَالُ
فَإِنَّ الْمَالَ يَفْنَى عَنْ قَرِيبٍ
وَإِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا يَزَالُ

ہم خداوند عالم کی اس تقسیم پر بہت خوش ہیں کہ اُس نے ہمیں علم عطا کیا ہے، اور دشمنوں کے لئے مال۔

کیونکہ مال تو عنقریب فنا ہو جائے گا
جبکہ علم باقی رہنے والی (وہ دولت ہے جس کے لئے کبھی) زوال نہیں ہے۔

(دیوانِ امیر المومنینؑ)

۶

خداوند عالم نے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ اور اُن کی اولادِ طاہرین، حضراتِ ائمہ معصومین علیہم السلام کو علم و کمال میں جو برتری عطا کی ہے، تاریخ کے ہر دور میں دنیا بھر کے مفسرین، محدثین، مورخین، محققین، متکلمین، فقہا، ادبا، اور صاحبانِ علم و دانش نے اس کا مسلسل اعتراف کیا ہے۔

اور یہ تاریخ کی جیتی جاگتی حقیقت ہے کہ منصبِ حکومت نہ ہونے کے باوجود ہر دور کے فقہا و محدثین، مفسرین و مورخین، اور علم و ادب کے شائقین جس دروازے پر جبہ سائی کرتے نظر آتے وہ حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کا دروازہ ہے۔

گویا، مالکِ دوجہاں نے جو اعلان فرمایا تھا کہ:

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ...

(خداوندِ عالم تم میں سے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، اور جنھیں علم دیا گیا ہے، انھیں درجات (کی) بلندی عطا کرے گا۔

(سورۂ مبارکہ الحجرات، آیت ۱۱)

/ تاریخ انسانی کا ہر دور اس فرمانِ الٰہی کی تصدیق کرتا رہا — اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے منصب کا انکار کرنے والے بھی، اُن کے علم و کمال کا اقرار کرتے رہے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، جو سرورِ کائنات کے سب سے بڑے نواسے اور مولائے کائنات کے فرزندِ اکبر ہونے کے ساتھ ساتھ منصبِ امامت کے تاجدار بھی ہیں، مالکِ دو جہاں نے انھیں علم و کمال کے اُس مرتبے پر فائز کیا تھا، جس کا اظہار آپ کی کمسنی کے زمانے سے ہی اس طرح ہونے لگا کہ کسی کے لئے انکار ممکن نہ ہو۔

جس کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جسے ابو یعقوب یوسف بن الجراح نے نقل کیا ہے ... حذیفہ الیمان کا بیان ہے کہ:

ایک روز ہم لوگ، پہاڑی کے دامن میں حضورِ اکرمؐ کے ساتھ بیٹھے تھے.. اس وقت مہاجرین و انصار میں بہت سے لوگ بھی وہاں موجود تھے کہ دُور سے حضرت حسن مجتبیٰؑ نظر آئے، جو نہایت سکون و وقار کے ساتھ چلتے ہوئے اسی طرف آرہے تھے جہاں حضور تشریف فرما تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ اپنے نواسے پر پڑی تو فرمایا کہ:

"(میرا یہ وہ نورِ نظر ہے) جس کی جبرئیل امینؑ رہنمائی کر رہے ہیں اور میکائیلؑ اُن کی تسدید کر رہے ہیں، یہ میری اولاد ہے، میرا عضوِ بدن ہے، میرے نفس کا پاک حصہ ہے، میرا نواسہ ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک بھی۔"

پھر جب حضرت حسن مجتبیٰؑ وہاں پہنچے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نواسے کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور ہم سب لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔

حضورِ اکرمؐ نے نواسے کو مخاطب کر کے فرمایا:

"أَنْتَ تُفَّاحَتِيْ، وَأَنْتَ حَبِيْبِيْ، وَمُهْجَةُ قَلْبِيْ"

(تم میرے میوۂ دل ہو، تم میرے پیارے ہو، تم میری روح و جان ہو)

پھر آنحضرتؐ نواسے کو اپنے ساتھ لے کر آئے اور اپنی جگہ بیٹھ گئے، ہم لوگ بھی حضورِ اکرمؐ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔

ہم نے مشاہدہ کیا کہ حضورِ اکرمؐ مسلسل اپنے نواسے کو دیکھ رہے تھے، پھر فرمایا.. إِنَّهُ سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ هَادِيًا مَهْدِيًا، هٰذَا هَدِيَّةٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لِيْ، يُنْبِئُ عَنِّيْ وَيُعَرِّفُ النَّاسَ آثَارِيْ وَيُحْيِيْ سُنَّتِيْ وَيَتَوَلّٰى أُمُوْرِيْ فِيْ فِعْلِهِ، يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِ فَيَرْحَمُهُ، رَحِمَ اللهُ مَنْ عَرَفَ لَهُ ذٰلِكَ وَبَرَّنِيْ فِيْهِ وَأَكْرَمَنِيْ فِيْهِ۔

(میرے بعد (علیؑ) اور ان کے بعد میرا یہ نواسہ، لوگوں کا) ہادی بنے گا، یہ خود ہدایت یافتہ ہے، اور میرے لئے پروردگارِ عالم کی طرف سے ایک تحفہ ہے، وہ میری طرف سے لوگوں کو (حقائق کی) خبر دے گا، انھیں میرے آثار کی معرفت کرائے گا، میری سیرت کو زندہ رکھے گا اور میرے معاملات کو انجام دے گا، خداوندِ عالم اس پر رحمت فرمائے گا۔

خدا ہر اس شخص پر رحم کرے جو (میرے نواسے کے) اس (فضل و شرف) کو پہچانے، میری خاطر ان کے ساتھ نیکی کرے اور ان کی تعظیم و تکریم کرے)

ابھی حضورِ اکرم کی گفتگو جاری ہی تھی کہ ایک اعرابی اِدھر آتا ہوا نظر آیا جو گویا لہراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، جب حضرت رسولِ خدا کی نگاہ اُس شخص پر پڑی تو آپؐ فرمایا کہ:

"تم لوگوں کی طرف ایک ایسا شخص آرہا ہے جو تم سے اس قدر سخت گفتگو کرے گا کہ (تمہارے جسم میں کپکپی پیدا ہو جائے گی) تمہاری کھال (تک) لرزنے لگے گی، وہ بہت سی باتوں کے بارے میں سوال کرے گا، اور اس کا لہجہ

بہت سخت (اور اکھڑا ہوا) ہوگا"

اتنے میں وہ اعرابی بھی پہنچ گیا، لیکن اس نے کسی کو سلام نہیں کیا بس یہ پوچھا کہ

"تم میں سے محمدؐ کون ہیں؟

ہم لوگوں نے کہا کہ: "تمہارا ارادہ کیا ہے؟

لیکن کوئی اقدام کرنے سے ہم لوگوں کو، حضورِ اکرمؐ نے روک دیا۔

اس شخص نے حضورِ اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا:

"اے محمدؐ! میں نے بغیر آپ کو دیکھا بھی نہیں تھا اُس وقت سے آپ کا دشمن ہوں، اور اب تو میری عداوت اور بڑھ چکی ہے۔

یہ سُن کر حضورِ اکرمؐ تو مسکرانے لگے لیکن اس شخص کی گستاخی اور بدتمیزی پر ہم لوگوں کو سخت غصہ آیا، اور ہم نے اُس کو بھرپور جواب دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حضورِ اکرمؐ نے اشارہ کر کے ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا۔

اعرابی نے کہا۔ اے محمدؐ! آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ پیغمبر ہیں (لیکن میرے خیال میں) آپ انبیاء کے خلاف بات کرتے ہیں اور آپ کے پاس کوئی دلیل و برہان بھی نہیں ہے۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا۔ "اے اعرابی، تجھے کیا معلوم (کہ میرے پاس دلیل و برہان نہیں ہے)

اُس نے کہا کہ، اگر کوئی برہان ہے تو پیش کیجئے۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ: اگر تم چاہو تو میرے اعضاء میں سے ایک عضو (اور میرے جگر کا ٹکڑا) تمہیں (میری دلیل و برہان سے) روشناس کرا دے گا جو زیادہ واضح بات ہوگی۔

وہ کہنے لگا کہ: کیا اعضاء بھی گفتگو کرتے ہیں؟

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا:۔ ہاں۔

پھر امام حسنؑ سے فرمایا کہ: (بیٹے)۔ اُٹھو اور اسے جواب دو۔

اعرابی نے کمسن شہزادے کو دیکھا، اور بڑبڑانے لگا۔ "خود آگے بڑھنے کے بجائے۔ ایک بچے کو آگے بڑھا رہے ہیں کہ مجھ سے بات کرے۔

حضورِ اکرمؐ نے اس اعرابی سے کہا کہ (تم بات تو کرو) تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس کو وہ سب کچھ معلوم ہے جس کا تم ارادہ کرتے ہو۔

چنانچہ حضرتِ امام حسن مجتبیٰؑ نے اس اعرابی کو مخاطب کر کے اپنی گفتگو کا آغاز، ان اشعار سے فرمایا:

مَاغَبِيًّا سَأَلْتَ وَابْنَ غَبِيٍّ   بَلْ فَقِيهًا إِذَنْ وَأَنْتَ الْجَهُولُ

فَإِنْ تَكُ قَدْ جَهِلْتَ فَإِنَّ عِنْدِي   شِفَاءَ الْجَهْلِ مَاسَأَلَ السَّؤُولُ

وَبَحْرًا لَاتُقَسِّمُهُ الدَّوَالِي   تُرَاثًا كَانَ أَوْرَثَهُ الرَّسُولُ

(اے شخص، تو نے کسی کم فہم شخص یا اُس کی اولاد سے دریافت نہیں کیا ہے، بلکہ صاحبِ علم و فراست سے گفتگو کر رہا ہے۔ جب کہ تو خود جاہل و نادان ہے۔

لیکن اگر تیرے پاس جہالت ہے تو میرے پاس اس کی بھی دوا ہے جو چاہے دریافت کرے

کیونکہ یہ (علومِ الٰہی کا وہ) سمندر ہے جس سے جتنا بھی پانی تقسیم کیا جائے (کبھی ختم نہیں ہوگا) اور یہ وہ میراث ہے جو رسولِ خداؐ کے ذریعہ سے ہم تک منتقل ہوئی ہے۔

اے شخص! تو نے (بہت) زبان درازی کی ہے راہِ اعتدال سے

تجاوز کیا ہے، اور خود اپنے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔
خیر اب اگر خدا نے چاہا تو، تو یہاں سے ایمان لانے کے بعد ہی جائے گا۔
یہ سُن کر وہ اعرابی مسکرایا اور (تمسخر کے انداز میں بولا) ہنھ!!
پھر امام حسن علیہ السلام نے اُسے، اُس کے حالات سناتے ہوئے فرمایا کہ:
(یہاں آنے سے قبل) تم (اپنے ساتھیوں سمیت) اپنی قوم کے اجتماع کی جگہ پر اکٹھا ہوئے اور تم لوگوں نے اپنی جہالت و نادانی کے ساتھ ایک دوسرے سے (خوب) باتیں کیں، تم لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی نسل منقطع ہو جائے گی، پوری عرب قوم اُن کی مخالف ہے اور (اگر اُن کو قتل کر دیا گیا تو) اُن کے خون کا کوئی بھی شخص انتقام نہیں لے سکے گا۔ اس لئے تم اس خیال سے (وہاں سے روانہ ہو گئے کہ) آنحضرتؐ کو قتل کر کے اپنی قوم کے لوگوں سے فائدہ حاصل کرو، پھر اپنے آپ کو اس (مجرمانہ اقدام) کے لئے آمادہ کر کے (تم اپنے گھر سے نکل پڑے) تم نے اپنے ہاتھ میں نیزہ سنبھال رکھا ہے۔۔ اور ارادہ یہ ہے کہ انھیں قتل کر دو!!
راستہ تمہارے لئے بہت دشوار تھا، تمہاری آنکھوں پہ اندھا پن چھایا ہوا تھا اور تم نے اس بات کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اور تم (چھپتے چھپاتے) آئے ہو تمہیں ڈر تھا کہ بات کہیں مشہور نہ ہو جائے۔ لیکن (یقین رکھو، ایسا کچھ بھی نہیں کر سکو گے)...
اب میں تمہارے سفر کی داستان تمہیں سناتا ہوں (تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ ہم تمہاری کسی بات سے بے خبر نہیں ہیں)
تم رات کو ایسے وقت نکلے ہو جب تیز آندھی آئی ہوئی تھی —

جس کی وجہ سے ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، آسمان پر اندھیرا تھا بادل موسلا دھار برس رہا تھا، اور تم سخت تردد میں تھے کہ (آگے بڑھو یا رک جاؤ) آگے بڑھتے ہو تو خطرہ ہے، پیچھے ہٹتے ہو تو بربادی ہے!! اُس وقت (آندھی اور جھکڑ کی وجہ سے) تمہیں کوئی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی، بادلوں کا ہجوم تھا، ستارے چھپے ہوئے تھے نہ تمہیں راستہ سمجھ میں آ رہا تھا، نہ کوئی نشان نمایاں ہو رہا تھا، کبھی تم ایک راستہ طے کرتے، کبھی کسی نشیب میں اتر جاتے جہاں طویل بیابان ہوتا... سفر نے تمہیں پریشان کر رکھا تھا۔ اگر کسی بلندی پر چڑھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ منزل سے اور بھی دور ہو گئے ہو.....
ہوا کی تیزی تمہیں ہلا رہی تھی، راستے کے کانٹے چبھ رہے تھے، آندھی چل رہی تھی، بجلی چمک رہی تھی، (راستے کی) جھاڑیاں تمہیں وحشت زدہ کر رہی تھیں... (یہاں تک کہ اسی حالت میں پوری رات گذری، اور جب دن نمودار ہونے پر تم یہاں پہنچے) اور تم نے نگاہیں اٹھا کر اپنے آپ کو یہاں پایا تو گویا تمہاری آنکھوں میں ٹھنڈک پڑی — اضطراب دُور ہوا، اور پریشانی کا خاتمہ ہوا...
امام علیہ السلام نے اُس کے سفر کی جب یہ بھرپور تصویر کشی فرمائی تو وہ گویا حیرت و تعجب کے سمندر میں ڈوب گیا، اور کہنے لگا:
اے شہزادے، یہ باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں، آپ نے تو ان تمام حالات کو اس طرح بیان کیا جیسے آپ نے میرے دل کے اندر جھانک کر دیکھ لیا ہو، اور گویا پورے سفر کے دوران میرا مشاہدہ کرتے رہے ہوں، آپ سے میری کوئی بات بھی تو مخفی نہیں ہے۔ گویا غیب (کے آپ وارث) دار ہیں، اور مجھ پر یہ

حقیقت بالکل واضح ہے کہ آپؑ اور آپ کے جدِ بزرگوار صاحبانِ حق ہیں۔ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے:

یہ سن کر امام علیہ السلام نے اللہ اکبر کہا۔ پھر اس سے فرمایا کہ:
"خداوندِ عالم کو یک و تنہا' وحدہٗ لاشریک مانو اور یہ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے اور رسول ہیں

پھر وہ اعرابی اسلام لایا' اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا،
(کچھ دنوں تک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا)
آنحضرتؐ نے اُسے قرآن مجید کی تعلیم دی (اور دین و مذہب کی بنیادی باتوں سے آگاہ کیا)

پھر اُس نے حضورِ اکرمؐ سے درخواست کی کہ: میں اپنی قوم کے پاس جاکر ان کو بھی یہ سب باتیں بتاؤں؟

آنحضرتؐ نے اُسے اجازت دی — تو وہ اپنی قوم والوں کے پاس گیا' اور بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر دوبارہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

جتنے لوگ اس کے ساتھ آئے تھے' سب نے اسلام قبول کیا۔

اس واقعے کے بعد، لوگ جب حضرت امام حسنؑ کو دیکھتے تھے تو بیساختہ کہتے تھے کہ:

(خداوندِ عالم کی طرف سے) جو (فصاحت و بلاغت انہیں عطا کی گئی ہے وہ کسی اور کو نہیں ملی!!

ملاحظہ فرمائیے: بحار الانوار، جلد ۴۳، صفحہ ۳۳۳ تا ۳۳۶

مُعاہدۂ صُلح

نواسۂ رسولؐ' حجتِ خدا حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زندگی کا وہ واقعہ جس پر اپنوں اور غیروں' دونوں نے ہر دور میں شکوک و شبہات کا اظہار بھی کیا اور تنقید اور اعتراض کا نشانہ بھی بنایا' امیرِ شام سے آپکی "صلح" ہے۔

جبکہ قرآنِ مجید میں خالقِ دوجہاں کا ارشاد ہے کہ:

"وَالصُّلْحُ خَيْرٌ"

(اور صُلح بہتر ہے)

لیکن جب بھی ہادیانِ برحق نے' دشمنوں سے صُلح کی' اپنوں اور غیروں نے اُسے کمزوری قرار دیا' چاہے وہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشرکین سے صُلح ہو یا حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی منافقین سے صلح ہو — تاہم معترضین نے دونوں مواقع پر زبانِ اعتراض دراز کی۔

سنہ ۶ ہجری میں جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سیکڑوں ساتھیوں کے ہمراہ' عُمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے جارہے تھے' مکہ سے ۱۵۔۲۰ میل قبل "حُدیبیہ" کے مقام پر کفار و مشرکین کا لشکر سدِّ راہ ہوا۔

اور جب حضرت رسولِ خدا نے کفار و مشرکین سے مقابلے اور جنگ کے بجائے صلح کا راستہ اختیار کیا' تو کفار کے نمائندے نے آپ کو متعدد شرائط کا پابند بنایا

اور حضورِ اکرمؐ نے اُس کی تمام شرطیں منظور کرلیں، نہ اصحاب سے مشورہ کیا، اور نہ ان کی ناراضگی کی پرواہ کی۔

اُن میں بعض شرائط اتنی سخت تھیں جو مسلمانوں کو بہت ناگوار گذریں اور ایک مشہور صحابی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ :

"پیغمبرؐ کی نبوت میں جیسا شک مجھے آج ہوا ہے، اس سے پہلے ایسا شک کبھی نہیں ہوا تھا۔"

ؤ

سنہ ھجری میں ۲۱؍ رمضان المبارک کو امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالبؑ کی شہادت واقع ہوئی، جس کے بعد امامت کے ساتھ خلافت کا منصب بھی نواسۂ رسولؐ، حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو ملا۔

آپؑ نے اپنے والد بزرگوار کے دفن و کفن وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد، مسلمانوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے، ایک مختصر مگر نہایت جامع خطبہ دیا، جس میں آپؑ نے حمد و ثنائے پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا :

لَقَد قُبِضَ فِی ھٰذہِ اللیلۃِ رَجُلٌ لَم یَسبِقہُ الأوّلونَ بِعَملٍ ولم یدرکہ الآخِرونَ بعملٍ، لَقَد کَانَ یجاھِدُ مَعَ رسولِ اللہِ فیقیہِ بِنفسہِ، وکَانَ رَسُولُ اللہ یوجہہ برایتہِ فیکفیہِ جبرائیلُ عَن یمینہِ ومیکائیلُ عَن شِمالہِ، ولا یرجِع حتی یَفتَحَ اللہُ علی یدیہِ، ولقد توفی فی اللیلۃِ التی نَزَلَ فیھَا القُرآن، وعرجَ فیھَا بعیسیٰ بن مریمَ، والتی قبض فیھَا یوشع بن نون، وصی موسیٰ وَمَا خلفَ صفراءَ ولا بیضاءَ الاسبعمائۃَ درھمٍ فضلت فی عطیتہِ أرادَ أن یبتاعَ بِہا خادماً لأھلہِ

آج کی شب وہ بے مثال انسان دنیا سے رخصت ہوگیا جس کے حسنِ عمل، اور اعلیٰ کارکردگی کا اوّلین و آخرین میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا

(یعنی امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالبؑ)

جن کا حال یہ تھا کہ جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے تھے تو اپنی جان خطرے میں ڈال کر آنحضرتؐ کو بچا لیتے تھے۔

اور جب پیغمبرِ اکرمؐ انھیں علمبردارِ لشکر بنا کر بھیجتے تھے تو جبرئیلؑ و میکائیلؑ دائیں بائیں اُن کی مدد کے لئے موجود ہوتے تھے، اور جب تک بحکمِ پروردگار انھیں فتح و ظفر حاصل نہ ہو اس وقت تک واپس نہیں آتے تھے۔

اُس ذاتِ والا صفات نے اس شب (۲۱؍ رمضان المبارک) کو رحلت فرمائی، جو شبِ قدر ہے، اور نزولِ قرآن سے وابستہ ہے۔

اسی شب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلکِ چہارم پر اٹھائے گئے اور اسی شب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی و جانشین جناب یوشع بن نون نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

(میرے والد جن کی رحلت کی یہ شب ہے) وہ نہ سونا چھوڑ کر گئے ہیں نہ چاندی، البتہ وہ سات سو درہم موجود ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ایک خدمت گار حاصل کرنا چاہتے تھے)

ؤ

راوی کا بیان ہے کہ،

اتنا فرمانے کے بعد آپؑ پر شدت سے گریہ و بکا طاری ہوا، چنانچہ

آپ کے ساتھ حاضرین بھی رونے لگے)

مؤرخین کا بیان ہے کہ:

اس خطبہ کے تمام ہونے کے بعد قیس ابنِ سعد نے عرض کیا کہ:

جناب ہاتھ بڑھایئے، ہم کتابِ خدا، سنتِ رسولؐ اور دشمنوں سے جنگ کے آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"کتابِ خدا و سنتِ رسولؐ کافی ہے، باقی چیزیں اسی میں شامل ہیں۔ جب تم میری اطاعت کے لئے بیعت کر لو گے تو تمہیں میرے دشمن سے جنگ کرنا ہوگی، اور میں جس سے صلح کروں گا اس سے تمہیں بھی صلح کرنی ہوگی۔"

ؤ

اس کے بعد لوگوں نے آپ کی بیعت کرنا شروع کی، اس موقع پر چالیس ہزار افراد نے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی بیعت کی۔

بیعت کا طریقہ وہی تھا جو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے سے جاری تھا، اور جس کے مطابق لوگوں نے امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی بیعت کی تھی۔

ؤ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھوں پر جو بیعت ہوئی تھی اس کے بارے میں خالقِ دو جہاں کا واضح ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا

(بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ در حقیقت اللہ کی بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جو شخص عہد شکنی کرے، اس کی عہد شکنی (کا وبال) خود اُسی کے خلاف ہوگا، اور جو شخص خداوندِ عالم سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرے گا، تو اسے خداوندِ عالم اجرِ عظیم عطا کرے گا) (سورۃ الفتح: آیت ۱۰)

جس کے بارے میں مفسرین کرام نے تحریر فرمایا کہ:

(رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیعت کو خداوندِ عالم نے اپنی بیعت اس لئے قرار دیا) کہ: "حقیقتاً اُن لوگوں کا مقصود: اطاعتِ الٰہی پر بیعت کرنا تھا، جس کے بارے میں صاحبِ تفسیرِ کشاف کا قول ہے کہ:

أَكَّدَهُ تَأْكِيدًا عَلَى طَرِيقِ التَّخْيِيلِ

(خداوندِ عالم نے تخییل و تمثیل کے طور پر یہ بات بطورِ تاکید فرمائی ہے)

اور تفسیر بیضاوی کی عبارت یہ ہے کہ:

مُؤَكِّدٌ لَهُ عَلَى سَبِيلِ التَّخْيِيلِ

(تمثیل و تخییل کے انداز سے، کلام میں تاکید پیدا کی گئی ہے)

لیکن صاحبِ مدارک نے واضح طور پر کہا ہے کہ: خداوندِ عالم نے حضورِ اکرمؐ کی محبوبیت کی بنا پر اُن کے دستِ مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"يُرِيدُ أَنَّ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) الَّتِي تَعْلُو أَيْدِي الْمُبَايِعِينَ هِيَ يَدُ اللَّهِ"

مقصدِ پروردگار یہ ہے کہ، حضرت رسولِ خدا صلی علیہ و آلہ وسلم کا دستِ مبارک، جو بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں کے اوپر تھا، وہ درحقیقت اللہ کا ہاتھ تھا) لہٰ

علامہ فخر الدین رازی، جو اپنے ان گنت شکوک و شبہات کی وجہ سے امام المشککین بھی کہے جاتے ہیں اور جن کی تفسیر "مفاتیح الغیب" کے بارے میں یہ جملہ بھی کہا گیا ہے کہ :

فِيهِ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا التَّفْسِيرُ

(اُس میں تفسیر کے علاوہ، سب کچھ موجود ہے)

مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

يُقَالُ : اَلْيَدُ لِفُلَانٍ ؛ اَیْ اَلْغَلَبَةُ وَالنَّصْرَةُ، وَالْقَهْرُ

(کہا جاتا ہے کہ : فلاں شخص کو "ید" حاصل ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ :

اُسے غلبہ، فتح و نصرت اور قوت و طاقت حاصل ہے)

(ملاحظہ فرمائیے، "تفسیر مفاتیح الغیب" المعروف : تفسیر کبیر
علامہ فخر الدین رازی

اور جس طرح پیغمبرِ اسلامؐ کے ہاتھوں پہ جو لوگ بیعت کرتے تھے،

لہٰ : گویا صاحبِ موصوف نے بھی یہ بات تسلیم کر لی کہ، انسان کے [illegible] کو "ید اللہ" کہا جا سکتا ہے، تو اب اگر اسلامی کتب و معارف، حضرت امیر المومنین [illegible] کو "ید اللہ" [illegible] یاد کیا جائے تو کسی کو اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ !

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے کہ

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز

(اور جب بندۂ مومن کے ہاتھ کی یہ شان ہے تو حق یعنی کے ہاتھوں کی طاقت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟)

وہ درحقیقت "اطاعتِ خدا" کا عہد و پیمان کرتے تھے، اسی طرح جو لوگ امامِ وقت کے ہاتھوں بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت خداوندِ عالم کی اطاعت و فرماں برداری کا عہد و پیمان کرتے ہیں۔

اور بیعت کرنے کے بعد، عہد شکنی کرنا درحقیقت خدا سے عہد شکنی کرنا اور خود کو غدار قرار دینا ہے اسی لئے قرآن مجید میں اعلان کیا گیا کہ :

"جو شخص عہد شکنی کرے گا، اُس کا وبال بھی خود اُسی پر ہوگا۔"

(۵)

حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت کے بعد جن لوگوں نے حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی بیعت کی تھی انہوں نے درحقیقت اس بات کا عہد و پیمان کیا تھا کہ :

"ہم آپ کے ہر حکم پر لبیک کہیں گے، جس سے آپ جنگ کریں گے اُس سے ہم جنگ کریں گے، اور جس سے آپ صلح کریں گے، اُس سے ہم صلح کریں گے۔
(جو درحقیقت اطاعتِ پروردگار ہوگی، کیونکہ آپ حجتِ خدا ہیں)

(۶)

اِدھر امام علیہ السلام کی بیعت ہو رہی تھی، اور اُدھر امیرِ شام جو جنگِ صفین میں اپنی بغاوت کا اعلان کر چکا تھا، قضیۂ تحکیم کے بعد خود کو مسلمانوں کی حکمرانی کا حقدار سمجھنے لگا تھا، اور اپنی مکمل حکومت کی راہ ہموار کرنے کے لئے ابن ملجمؑ کے ذریعہ امیر المومنینؑ کو شہید کرا چکا تھا۔ اُسے جب یہ معلوم ہوا کہ بلادِ اسلامی کی حکومت، اولادِ علیؑ کی طرف جا رہی ہے تو اُس نے اپنی ریشہ دوانیاں تیز کر دیں، اور کوفہ پر حملہ کرنے کے لئے ساٹھ ہزار

کا لشکر لے کر روانہ ہوگیا۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے قیس بن سعدؓ کی قیادت میں بارہ ہزار کا لشکر، امیرِ شام کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کیا۔

امیرِ شام نے جعلسازی کرتے ہوئے قیس بن سعد کے لشکر میں یہ خبر عام کردی کہ امام حسنؑ نے صلح قبول کرلی ہے، دوسری طرف، جو لوگ امام حسن علیہ السلام کے پاس موجود تھے ان کے درمیان یہ افواہ پھیلادی کہ قیس بن سعد نے صلح کرلی ہے۔

اس طرح دونوں جگہ لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور تحکیم کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام کے خلاف نازیبا کلمات کہنے والے خوارج نے حضرت امام حسنؑ پر بھی حکمِ خدا سے انحراف کرنے کا الزام لگادیا۔ لشکر میں عجیب افراتفری پھیل گئی۔۔ اور بات یہاں تک پہنچی کہ آپؑ کا مصلیٰ کھینچ لیا گیا، آپؑ کو ذہنی طور پر اذیت پہنچانے کے ساتھ ساتھ آپؑ پر حملہ کرکے آپؑ کو زخمی بھی کردیا گیا۔ جس کی وجہ سے آپؑ کو مدائن میں کافی دنوں تک، زیرِ علاج رہنا پڑا۔

؎

اب صورتِ حال یہ ہوگئی تھی کہ،

امیرِ شام نے رشوتیں دے کر سردارانِ لشکر کو خریدنا شروع کیا، اور عبیداللہ جیسے لوگوں نے بھی خیانت شروع کردی، سارے سردار پچاس ہزار میں بکے، اور یہ صاحب ایک لاکھ میں بک گئے۔

جب سے امیرِ شام کی ہمتیں بڑھنا شروع ہوئیں۔

اُس کی مادّی اور معنوی دونوں طاقتوں میں اضافہ ہونے لگا، جب

سردارانِ قبائل ان سے ملنے لگے تو مال کی فراوانی بھی بڑھی، اور پیسے کے زور پر انھیں اس بات پر بھی آمادہ کرلیا گیا کہ ہر حال میں اُس کی فرماں برداری کریں چاہے وہ اونٹ کو اونٹنی ہی کہے۔

اِدھر جن لوگوں نے امامؑ کی بیعت کی تھی، وہ خود اپنے ہاتھوں سے امام علیہ السلام کے قدموں کے نیچے سے مُصلیٰ کھینچ رہے تھے، جسمانی طور پر زخمی کررہے تھے، اور باقی ساتھیوں کی طرف سے ان بدسرشت لوگوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی بھی نہیں ہورہی تھی، جس کی بنا پر صورتِ حال اور سنگین ہوگئی، اور ظاہری طور سے، دشمن سے مقابلے کے امکانات بالکل ہی ختم ہوگئے۔

؎

ان تمام حالات کے باوجود، امیرِ شام کو یہ بات معلوم تھی کہ جب تک کوئی معاہدہ نہ ہوجائے اُس وقت اُس کی حکومت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

چنانچہ اُس نے صلح کا راستہ اختیار کیا، اور سادہ کاغذ پر دستخط کرکے بھیج دیا کہ: آپ ان پر جو چاہیں شرائط تحریر فرمادیں، میں آپ کی تمام شرطیں قبول کرتے ہوئے صلح کا معاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔

؎

اب امامؑ کے سامنے صورتِ حال یہ تھی کہ:

صُلح قبول کرنے سے انکار کیسے کریں، جبکہ دشمن سے صلح کے بارے میں دینِ اسلام کی واضح ہدایات ہیں کہ:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ، اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اگر وہ (دشمن) صلح کے لئے اپنے بازو جھکا دیں، تو تم بھی صلح کے لئے اپنے بازو جھکا دو اور خدا پر بھروسہ رکھو، بیشک وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے)

(ملاحظہ فرمایئے: سورۂ انفال، آیت ۶۱)

جس کے بارے میں مفسرین کرام نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

"دشمن جب گفتگوئے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے، بے تکلف اس کے لئے تیار ہو جاؤ، اور صلح کے لئے ہاتھ بڑھانے سے، اس بناء پر انکار نہ کرو کہ دشمن نیک نیتی کے ساتھ صلح نہیں کرنا چاہتا بلکہ غداری کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"اگر وہ صلح کی (خواہش کر رہا ہے تو) اس کی نیت پر شبہ کر کے خونریزی کو طول نہ دو۔ اگر وہ غداری کی نیت رکھتا ہو تب بھی تم خدا پر بھروسہ کرو، صلح کے لئے بڑھنے والے ہاتھ کے جواب میں تم بھی صلح پر آمادگی ظاہر کرو تاکہ تمہاری اخلاقی برتری ثابت ہو۔" (ت ق ۲: ۱۵۶)

گویا مذکورہ بالا آیت میں پیغمبر اکرمؐ کو مالکِ دو جہاں کی طرف سے یہ حکم دیا کہ،

"جب مخالفین کو صلح کے لئے جھکتے ہوئے دیکھئے، تو صلح کو قبول فرمایئے، لیکن اصل اعتماد اللہ پر رکھئے، اُس کا ہر حکم مصالح پر مبنی ہوتا ہے وہ بندوں کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی۔"

(تفسیر ماجدی: ۳۸۸)

اندیشہ بس یہ تھا کہ اگر معاہدۂ صلح قبول کرنے پر فوری آمادگی ظاہر کر دیں تو لشکر میں مزید انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ آپ نے اس مسئلہ کو ساتھیوں کے سامنے رکھا، کہ کیا تم لوگ جہاد پر آمادہ ہو۔۔۔؟

تو ہر طرف سے آواز آنے لگی:

"اَلْبَقَاءُ اَلْبَقَاءُ"

(ہم زندہ، اور باقی رہنا چاہتے ہیں، چاہے جیسی بھی زندگی ہو)

چنانچہ وہ وقت آ گیا جس کے بارے میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

جیسا کہ راغب نے محاضرات میں روایت کی ہے۔ بریدہ سے منقول ہے کہ:

رَأَیْتُ النَّبِیَّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) یَخْطُبُ عَلَی الْمِنْبَرِ یَنْظُرُ اِلَی النَّاسِ مَرَّۃً وَ اِلَی الْحَسَنِ مَرَّۃً، وَقَالَ:

"اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا، سَیُصْلِحُ اللّٰہُ بِہٖ فِئَتَیْنِ۔"

(میں نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے (امام حسنؑ آپ کی آغوش میں بیٹھے تھے) آنحضرتؐ کبھی لوگوں کو دیکھتے اور کبھی حسنِ مجتبیٰؑ کو، پھر فرمایا:

"یہ میرا بیٹا ہے عنقریب خداوندِ عالم اس کے ذریعہ سے دو گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔"

اور جناب ابنِ عباس کی روایت ہے کہ:

...فَبَسَطَ النَّبِیُّ یَدَہٗ وَمَدَّھَا، ثُمَّ ضَمَّ الْحَسَنَ اِلٰی صَدْرِہٖ وَقَبَّلَہٗ

قال:

إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، لَعَلَّ اللّٰهَ يُصْلِحُ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ۔

(حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر (اپنے نواسے) حضرت حسنؑ کو اپنے سینے سے لگایا، پیار کیا، اور فرمایا:

"میرا یہ نورِ نظر، سید (وسردار) ہے۔ اُمید ہے کہ خداوندِ عالم، اس کے ذریعے۔۔ دو گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔"

ملاحظہ فرمائیے، "مناقب آل ابی طالب" صفحہ [۱۴]

چنانچہ فرمانِ خدا و رسولؐ کے مطابق، حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے صلح کی منظوری دے دی، اور حسبِ ذیل شرائط لکھ کر معاویہ کو بھیج دیں۔

۱۔ معاویہ کو کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ پر عمل کرنا ہوگا۔

۲۔ معاویہ کو اپنے بعد کے لئے کسی کو ولی عہد نامزد کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۳۔ کوفہ کا بیت المال، امام حسنؑ کے اختیار میں ہی رہے گا۔

۴۔ اہواز کا مال خراج جنگ جمل اور جنگ صفین میں قتل ہو جانے والوں کی اولاد کو دیا جائے گا۔

۵۔ ہر صاحبِ حق کو اُس کا حق دیا جائے گا۔

[۱۴]: اس مضمون کی کثرت روایتیں برادرانِ اسلامی کی مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

- بخاری۔
- موصلی۔
- خرکوشی۔
- سمعانی۔ وغیرہ

۶۔ شیعانِ (حیدرِ کرار) کے لئے عام طور سے امن و امان رہے گا۔

۷۔ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ناسزا کلمات نہیں کہے جائیں گے۔

۸۔ حاکمِ شام "خود کو امیر المومنین نہیں کہلوائے گا۔

۹۔ اہلِ عراق کے لئے، عمومی طور سے، پُرامن زندگی گزارنے کے مواقع حاصل رہیں گے۔

۱۰۔ امام حسنؑ، امام حسینؑ، اور خاندانِ اہلبیتؑ (طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین) کو کسی طرح اذیت نہیں دی جائے گی۔[۱۵]

ان شرائط پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح طور سے سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام معاشرے میں کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ کی سربلندی چاہتے تھے، حکومت چاہے کسی کے بھی ہاتھ میں رہے۔

یہی اس "معاہدہ" کی پہلی اور بنیادی شرط تھی۔

جو اس بات کا اعلان بھی تھا کہ "آلِ محمدؐ" کو نہ جاہ و منصب کی احتیاج ہے نہ اختیار و اقتدار کی خواہش۔

اُن کی عظمت و جلالت، ان مادّی سہاروں کی محتاج نہیں ہے، وہ اپنی سیرت و کردار اور خداوندِ عالم کی عطا کردہ عصمت و طہارت، اور

[۱۵]: مذکورہ بالا شرائط کو مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔
ابن ابی الحدید معتزلی کی: شرح نہج البلاغہ۔ دمیری کی حیوۃ الحیوان۔ محسن امین عاملی کی اعیان الشیعہ۔ ابن جریر طبری کی تاریخ، ابن قتیبہ دینوری کی الامامۃ والسیاسۃ۔ سبط ابن جوزی کی تذکرہ خواص الامۃ۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی ان شرائط کا تذکرہ موجود ہے:
الاصابہ۔ تاریخ دول الاسلام۔ جمہرۃ الکلام۔ وغیرہ۔

عزت وکمال کی بناء پر اہلِ ایمان کے قلوب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

و

وہ دُنیا طلب، اور مفاد پرست افراد ہیں جو اقتدار و حکومت کے حریص ہوتے ہیں ــــ اہلِ حق اِن مادّی آلائشوں سے بہت بلند ہوتے ہیں۔ خصوصاً حضرت امام حسنؑ و حسینؑ جو فرمانِ پیغمبرؐ کے مطابق عرشِ الٰہی کے گوشوارے" اور فلکِ عصمت کے تارے ہیں۔

یہ عرش والے فرش والوں کے پاس، صرف اس لئے تشریف لائے تھے کہ انھیں رازِ بندگی اور اسرارِ زندگی سے روشناس کرائیں، انکی کوتاہیوں کو دور کرکے راہِ مستقیم بتائیں۔ کارگاہِ حیات کی تاریکیوں میں نور کی قندیلیں روشن کریں، انسانیت کو اُس کے مقصدِ حیات سے آگاہ کریں۔ حرص وہوس سے بھری ہوئی دنیا کو اخلاص کی راہ دکھائیں، گمراہیوں کے جھنور میں ہدایت کے پھول کھلائیں، حیوان نما انسانوں کے پھیلائے ہوئے اندھیروں کے درمیان راستی وسچائی کے چراغ جلائیں اور انسانیت کے ماتھے پر صداقت و پاکیزگی کا ایسا جھومر آویزاں کردیں جو صبحِ قیامت تک بھٹکے ہوئے لوگوں کو نجات کی راہ دکھاتا رہے۔

فصاحت و بلاغت
کے
اُبلتے ہوئے چشمے

یعنی

حضرت امام حسن علیہ السلام
کے
خطبات

ہم ذیل میں، امام معصوم، نواسۂ رسولؐ، فرزندِ علیؑ و بتولؑ، سردارِ جوانانِ جنت حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بعض خطبات، معہ ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

کتاب الکفایہ۔ کتاب التوحید (شیخ صدوقؒ)۔ ناسخ التواریخ ۔ بحار الانوار (علامہ مجلسی علیہ الرحمہ)۔ تحف العقول ۔ جمہرۃ رسائل العرب۔ درر الاخبار۔ اعیان الشیعہ (محسن امین عاملی)۔ مجمع البحرین۔ کشف الغمہ۔ ارشاد القلوب۔ علل الشرائع۔ مناقب آلِ ابی طالب (ابن شہر آشوب)۔ مروج الذہب (مسعودی)۔ رجال کشی۔ کتاب سلیم بن قیس ہلالی ۔ مجموعہ ورام۔ نور الابصار۔ تاریخِ دمشق (ابن عساکر)۔ کتاب الاثنا عشریہ۔ تاریخ الیعقوبی۔ المحاسن والمساوی (الجاحظ)۔ مکارم الاخلاق (حسن بن فضل طبرسی)۔ کتاب البدایۃ والنہایہ۔ معانی الاخبار۔ نہایۃ الارب فی فنون الادب۔ مصابیح الانوار فی حل مشکلات الاخبار۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ کتاب الجمل۔ الارشاد (شیخ مفید)۔ جلاء العیون۔ ابنِ اثیر۔ ابنِ کثیر۔ طبری۔

اور عالمِ اسلام کی دیگر درجنوں معتبر اور مشہور کتابوں میں حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کے سیکڑوں خطبے موجود ہیں، جن میں سے ہر خطبہ فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے۔

ان سیکڑوں خطبات میں سے چند خطبے جن کا تعلق آپؑ کے ظاہری زمانۂ خلافت، معاہدۂ صلح، اور صلح کے بعد پیش آنے والے واقعات سے ہے، انھیں با ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

ان میں چند خطبے ایسے بھی ہیں جو آپؑ نے اپنے پدرِ بزرگوار امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں دیئے ہیں۔

البتہ زیادہ تر خطبے "معاہدۂ صلح" اور اُس کے ماقبل و مابعد کے حالات

متعلق ہیں جن سے اُس دور کے حالات اور اہلِ زمانہ کی بے وفائیوں کا بھی بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہمارا ہر اقدام رضائے پروردگار کیلئے ہے

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی زندگی میں حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے جنگِ صفین کے موقع پر ایک خطبہ دیا جس میں حمد و ثنائے پروردگار کے بعد فرمایا۔

(غضبنا للّٰہ ولکم)

ان مما عظم اللّٰہ علیکم من حقہ واسبغ علیکم من نعمہ ما لا یحصی ذکرہ ولا یؤدی شکرہ ولا یبلغہ قول ولا صفۃ

ونحن انما غضبنا للّٰہ ولکم، فانہ منّ علینا بما ہو اہلہ ان نشکر فیہ آلاءہ وبلاءہ ونعماءہ قولا [illegible] الی اللّٰہ فیہ الرضا [illegible] یصدق اللّٰہ فیہ [illegible] ربنا قولا یزید [illegible] والجد الا شدۃ امرہم [illegible] تجمع

فَاحشدوا فِي قتالِ عدوکم وجنودہ ولا تخاذلوا فانّ الخذلان یقطع نیاط القلوب، وانّ الاقدام علی الاسنۃ نخوۃ وعصمۃ، لانہ لم یمتنع قوم قط الّا رفع اللہ عنہم العلۃ، وکفاھم جوائح الذلۃ وھداھم الی معالم الملۃ

والصلح تاخذ منہ مارضیت بہ والحرب یکفیک من انفاسھا جرعُ

یاد رکھو کہ خداوندِ عالم کا تم لوگوں پر اتنا بڑا حق ہے اور اس نے تم پر اتنی نعمتیں نازل فرمائی ہیں جن کو نہ زبان سے شمار کیا جاسکتا ہے نہ ان کا شکر ادا کرنا ممکن ہے اور نہ کسی گفتار یا توصیف سے ان کو حدِ بیان میں لایا جاسکتا ہے اور ہم جو (اس قوم جفاکار سے) ناراض ہیں تو یہ ناراضگی بھی صرف خوشنودیِ پروردگار اور تمہاری بھلائی کے لئے ہے کیونکہ خداوندِ عالم کے ہم پر بے حد احسانات ہیں اور وہ اس بات کا حقدار ہے کہ اسکے فضل و کرم اور جود و احسان کا شکر اس طرح ادا کیا جائے کہ ہماری زبان سے جو بھی بات نکلے اس میں خوشنودیِ پروردگار ہو اور معرفت کی ایسی سچائی ہو کہ خداوندِ عالم ہمارے قول کی تصدیق کرے اور اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ نوازے۔

یاد رکھو جب کسی قوم کسی بات پر اتفاق کرے گی تو اس میں قوت اور پائیداری ہوگی، لہٰذا تم لوگ دشمن سے مقابلہ کے لئے متحد ہو جاؤ اور سستی و ہزیمت نہ دکھاؤ کیونکہ سستی اور پست ہمتی سے دل کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور مضبوطی کے ساتھ قدم بڑھانے میں عزت بھی ہے، حفاظت بھی! اور جو قوم اپنے دفاع میں جرأت و استقامت سے کام

لیتی ہے، خداوندِ عالم اس کی خامیوں کو دور کر دیتا ہے۔ اسے عزت و کرامت سے نوازتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف مسلسل اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

ان کا فیصلہ خواہشاتِ نفسانی کے مطابق ہے

جنگِ صفین کے موقع پر جب تحکیم بے نتیجہ ثابت ہوئی تو لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں، اس موقع پر حضرت علیؑ نے اپنے فرزندِ ارجمند امام حسنؑ سے فرمایا کہ خطبہ دیں اور حقیقتِ حال جس پر جہالت کی ڈھول ڈال کر اسے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے اس کو واشگاف کریں۔ چنانچہ جنابِ امیرؑ نے امام حسنؑ سے فرمایا: بیٹے اٹھو! اور عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص کے بارے میں لوگوں کو بتاؤ۔ حضرت امام حسنؑ منبر پر تشریف لائے اور (حمد و ثنائے پروردگار کے بعد) ارشاد فرمایا۔

اَیُّھَا النَّاسُ!

قَدْ اَکْثَرْتُمْ فِی ھٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ، وَاِنَّمَا بُعِثَا لِیَحْکُمَا بِالْکِتَابِ عَلَی الْھَوٰی

فحكمَا بالهوى على الكتاب، ومَن كانَ هكذا لم يسم حَكَمًا، ولكنه محكوم عليه، وقد اخطأ عَبدالله بن قيس اذ جعلهَا لعبدِ الله بنِ عمَر فاخطأ فِي ثلاثِ خصال، واحدة أنهُ خالف (يعنى ابا موسى) أباهُ (يعنى عمر اذ لم يرضه لها، ولا جعله مِن أهلِ الشورى، والاخرى أنه لم يستأمر الرجلَ فِي نفسه، ولا عَلِمَ ما عندَه من ردٍّ أو قبول وثالثهَا انه لم يجتمع عليه المهاجرونَ والانصار الذين يعقدون الإمارة، ويحكمون بها على الناس واما الحكومة فقد حكم النبى صلى الله عليه وآله وسلم سَعد بن معاذ فى بَنِي قريظه، فحكم بما يرضى الله به ولا شك لو خالف لم يرضه رسول الله.

(لوگو۔

تم نے اُن دو شخصوں کے بارے میں بہت چہ میگوئیاں کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ (جن لوگوں کو تحکیم کے موقع پر معاملات کو سلجھانے کے لئے معین کیا گیا تھا) ان کو اس عہد و پیمان کے ساتھ بھیجا گیا تھا کہ یہ لوگ خواہشاتِ نفسانی کے مقابلہ میں قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے لیکن ان لوگوں نے قرآن کے مقابلہ میں خواہشات نفسانی کے مطابق فیصلہ کیا، اور ایسا فیصلہ برحق فیصلہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ تائیدِ باطل ہے جو ناقابلِ قبول ہے۔

عبداللہ بن قیس نے عبداللہ بن عمر کو نمائندہ بنا کر سخت غلطی کی، بلکہ یا یوں کہ در پر

انہوں نے تین غلطیاں کیں۔

۱: یہ کہ ابو موسیٰ (عبداللہ بن قیس) نے عبداللہ بن عمر کو نمائندہ بنا کر خود عبداللہ بن عمر کے والد کی رائے کی مخالفت کی جو اسے ناپسند کرتے تھے اور مشورے کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔

۲: یہ کہ ابو موسیٰ نے ایک ایسے شخص کو نمائندہ بنایا جس کی ذاتی طور پہ کوئی اہلیت ہی نہیں اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کون سی بات قبول کرنی چاہیئے، کون سی رد کرنی چاہیئے۔

۳: اَن مہاجرین والنصار کا اس پر اتفاق نہیں ہوا تھا جو امارت کو استوار کرتے ہیں۔ اور جہاں تک قضاوت کا تعلق ہے تو حضرت رسولِ خدا سعد بن معاذ کو بنی قریظہ کے سلسلے میں یہ حق عطا فرما چکے تھے۔

خبردار

منقول ہے کہ، منافقین میں سے کچھ لوگوں کو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی سختیاں گراں گذرتی تھیں، چنانچہ وہ لوگ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

"ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں:"

تو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے نہایت سختی سے اُن لوگوں کا مطالبہ رد کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"تم لوگ امام وقت کے خلاف بغاوت کر رہے ہو۔"

اس وقت، منافقین میں سے عبید اللہ بن عمر نے جب بہت زیادہ اصرار کیا تو حضرت امام حسنؑ نے نہایت بلند آواز سے، اسے ڈانٹ کر کہا:

كَلَّا وَاللهِ لَا يَكُونُ ذٰلِكَ!

لَكَأَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْكَ مَقْتُوْلًا فِيْ يَوْمِكَ اَوْ غَدِكَ۔

اَمَا۔ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ زَيَّنَ لَكَ وَخَدَعَكَ، حَتّٰى اَخْرَجَكَ مُخَلَّقًا بِالْخَلُوْقِ، تَرٰى نِسَاءَ اَهْلِ الشَّامِ مَوْقِفَكَ، وَسَيُصْرِعُكَ اللهُ وَيُبْطِحُكَ لِوَجْهِكَ قَتِيْلًا۔

(قسم بخدا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اے شخص! تجھے یقیناً شیطان نے ورغلایا ہے اور فریب دے کر تجھے

ہماری صفوں میں اختلاف ایجاد کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

دیکھو تو، تمہاری اس (گمراہ کن) بات سے شامی کس قدر خوش نظر آ رہے ہیں!

(لیکن اللہ تمہاری اس حرکت سے سخت غضبناک ہے)

اور عنقریب تمھیں داخلِ جہنم کرے گا۔

(میری نگاہِ بصیرت یہ بھی دیکھ رہی ہے کہ) تم آج، کل میں ہی قتل کر دیئے جاؤ گے)

(اور مورخین کا بیان ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ شخص جو مومنین کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتا تھا، کیفرِ کردار کو پہونچا)

فکر و نظر کی بیداری

اعیانُ الشیعۃ کی روایت ہے کہ حضرت امام حسنِ مجتبیٰؑ نے فکر و نظر کی بیداری کے سلسلے میں فرمایا:

الحمدُ للہِ کلما حمِدَہ حامد، واشھدُ اَن لا الٰہَ اِلا اللہُ کلما شھدَ لہُ شاھد، واشھدُ اَنّ محمداً عبدُہ ورسولہُ ارسلَہ بالحق، وأمنَہ علی الوحیِ صلّی اللہُ علیہِ وآلہ وسلّم، امّا بعد: فواللہِ انی لارجو اَن اکونَ قد اصبحتُ بحمدِ اللہ ومنہ، وانا انصح خلقِ اللہ لخلقہ، وما اصبحتُ محتملاً علی مسلم ضغینۃ، ولا مریداً لہ سوءاً ولا غائلۃ الا وانَّ ما تکرھون فی الجماعۃِ خیر لکم مما تحبّون فی الفرقۃِ، الا وانی ناظرٌ لکم خیراً من نظرکم لانفسکم، فلا تخالفوا امری، ولا تردوا علیَّ رأیی، غفرَ اللہ لی ولکم، وارشدَنی وایاکم لما فیہ المحبۃُ والرّضا۔

تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جب بھی کوئی حمد کرنے والا اُس کی حمد و ثنا کرے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے (جب بھی کوئی گواہی دینے والا

اُس کی گواہی دے، اور اسی کے ساتھ میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اللہ کے بندے اور رسول ہیں جنھیں اُس نے حق کے ساتھ بھیجا اور امانت دارِ وحی بنایا۔

قسم بخدا۔ میری یہ آرزو رہتی ہے کہ جب میں خدا کے فضل و کرم سے صُبح کے وقت بیدار ہوں تو اپنے دل میں اُس کی مخلوقات کے ساتھ سب سے زیادہ اخلاص رکھتا ہوں۔

اور میں نے آج تک کبھی اس طرح دن کا آغاز نہیں کیا کہ میرے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کوئی کینہ ہو، یا میں کسی کے لئے بُرا ارادہ رکھتا ہوں، یا اُسے نقصان پہونچانا چاہتا ہوں (بلکہ ہمیشہ میرے دل میں تمام بنی نوعِ انسان کے لئے خیر و فلاح اور ہمدردی و مواسات کے جذبات ہی رہے، ان ہی جذبات کے ساتھ صبح بھی کرتا ہوں۔ اور شام بھی)۔

یہ یاد رکھو کہ۔

اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے کے لئے (بعض اوقات جو جزئی تکلیفیں (اٹھانی پڑتی ہیں) وہ اختلاف کی حالتیں حاصل ہونے والے (انفرادی سکون و آرام) سے بہت بہتر ہیں۔

اور اس بات کو فراموش نہ کرنا کہ:

تم اپنی بھلائی کے بارے میں جتنا سوچ سکتے ہو میں تمہارے لئے اس سے بہت زیادہ فلاح و بہبود کی فکر میں رہتا ہوں، لہٰذا (میری ہدایت پر چلتے رہنا) میری بات کی مخالفت نہ کرنا، اور نہ میری رائے کو نظر انداز کرنا، خدا اپنی مغفرت (و رحمت) مجھ پر سایہ فگن رکھے اور تم پر بھی۔

اور ایسے امور کی طرف ہم سب کی رہنمائی فرمائے جس میں اس کی محبت
بھی ہو اور خوشنودی بھی۔

دشمن سے مقابلہ کے سلسلہ میں ہدایات

کتاب الاصبہانی کی روایت ہے کہ جب امیر شام کی طرف سے بلادِ اسلامی پر یلغار ہوئی، تو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے جناب ابن عباس کے چھوٹے بھائی عبید اللہ بن عباس کو بارہ ہزار کے لشکر پر سردار بنا کر مقابلے کے لئے بھیجا۔ اور اس موقع پر ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

یا ابنَ عمّ: انی باعث معكَ اثنی عشرَ الفاً من فرسانِ العربِ وَ قراءِ مصر۔ فسر بهم والن جانبكَ وابسط وجهكَ، وافرش لهم جناحكَ، وادنهم من مجلسِكَ، وسر بهم على شطِ الفرات، حتى تقطع بهم الفرات ثم تصير بمسكن، ثم امضِ حتى تستقبلَ معاويةَ، فان انت لقيتهُ فاحبسه حتى ناتيكَ، فانی فی اثركَ وشيكاً، وليكن خبركَ عندی كل يومٍ، وشاور هذين يعنی قيس بن سعد وسعيد بن قيس۔ فاذا لقيتَ

معاويةَ فلا تقاتلنهُ حتى يقاتلكَ وان فعل فقاتله فان اُصبتَ فقيس على الناس، وان اُصيب قيس فسعيد بن قيس على الناس۔

(اے برادرِ عزیز (ابن عم)۔ میں تمہارے ہمراہ عرب کے شہسواروں اور مصر کے قاریوں پر مشتمل ۱۲ ہزار کی فوج بھیج رہا ہوں۔۔ ان کو اپنے ہمراہ لے کر جاؤ، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، خندہ پیشانی سے بات کرنا، تواضع و انکسار کے ساتھ سلوک کرنا اور (جس طرح انسان نشست و برخواست کے موقع پر اپنے دوستوں سے قربت رکھتا ہے تم بھی) نشست و برخواست کے موقع پر ان سے نہایت قربت رکھنا۔ پھر فرات کے کنارے کنارے چلتے رہنا، یہاں تک کہ جب فرات کا راستہ طے کر کے آگے پہنچ جاؤ۔ تو کسی منزل پر قیام کرنا تاکہ راستے کی تھکن دور ہو جائے اور) پھر وہاں سے روانہ ہونے کے بعد اس وقت تک چلتے رہنا، جب تک کہ معاویہ تک نہ پہونچ جاؤ۔ پھر جب اس کے (لشکر کے) پاس پہونچ جاؤ تو بس وہیں ٹھہر جانا اور میرے پہونچنے تک دشمن کو وہاں سے ہٹنے نہ دینا، اور میں انشاء اللہ بہت جلد پہونچوں گا۔ دیکھو، اپنی روزانہ کی روداد مجھے بھیجتے رہنا (تمام ضروری امور کے سلسلے میں) قیس بن سعد۔ اور سعید بن قیس سے مشورہ کرتے رہنا۔
(خبردار) جب معاویہ سے ملاقات ہو تو تم اپنی طرف سے لڑائی مت شروع کرنا، ہاں اگر وہ خود ہی جنگ چھیڑ دے تو تم لوگ مقابلہ کرنا۔
اس مقابلہ میں اگر قضاء و قدرِ الٰہی کے تحت تم اپنی جان جہانِ آفریں کے سپرد کر دو، تو تمہارے بعد قیس بن سعد امیر لشکر

تمام مسلمانوں پر واجب قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

قُلْ لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا۔

(اے پیغمبرؐ آپ کہدیجئے کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت رکھو۔ اور جو شخص نیکی کو اپنائے گا ہم اُس کے حسنات میں اضافہ کردیں گے) اور نیکی کو اپنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہلبیتؑ سے الفت و محبت رکھنا۔ (اور جو شخص ہم سے محبت کرے گا، خداوندِ عالم اس کے حسنات میں اضافہ فرمائے گا۔)

◇

صاحبِ ناسخ التواریخ تحریر فرماتے ہیں کہ اس خطبہ کے بعد جب آپؑ منبر سے اُترے تو تمام حاضرین نے آپ کی بیعت فرمائی۔ چنانچہ جب بیعت کا کام مکمل ہوا تو آپؑ دوبارہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد و ثنائے پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا۔

نَحْنُ اَحَدُ الثَّقَلَیْن

نحن حزب اللہ الغالبون، وعترة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی اُمتہ وتالی کتاب اللہ (الذی فیہ تفصیل کل شیء لایأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ، فالمعول علینا فی تفسیرہ لا نتظنی تاویلہ، بل نتیقن حقائقہ فاطیعونا فاطاعتنا مفروضة اذ کانت بطاعة اللہ والرسول، ولو ردوہ الی الرسول والی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم"

واحذرکم الاصغاء لهتاف الشیطان، انه لکم عدو مبین، فتکونون کاولیائه الذین قال لهم: لا غالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم، فلما تراءت الفئتان نکص علی عقبیه وقال: انی بریء منکم انی اری ما لا ترون، فتلقون الی الرماح ازرا، وللسیوف جزرا، وللعمد حطما، وللسهام غرضا، ثم "لا ینفع نفسا ایمانها (ما) لم تکن آمنت من قبل، او کسبت فی ایمانها خیرا"

پیغمبرؐ نے جو دو گراں قدر چیزیں اُمت کے درمیان چھوڑی تھیں اُن میں سے ایک ہم ہیں اور دوسرا قرآن ہے)۔ ہم اللہ کا وہ گروہ ہیں جو غالب رہے گا، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ عترت ہیں جو آنحضرتؐ سے سب سے زیادہ قریب ہے، ہم طیّب و طاہر (صاحبِ عصمت و طہارت) اہلبیتِ رسولؐ ہیں، ہم اُن دو گراں قدر چیزوں میں سے ایک ہیں جنھیں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کے درمیان چھوڑا ہے، اور ہم اُس قرآن کے ہمسر و ساتھی ہیں جس میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے اور جس میں کہیں سے باطل کا گذر نہیں ہے، نہ سامنے سے نہ پُشت سے۔

قرآن کی تفسیر و تشریح کے لئے بس ہمارے ہی (فرمان) پر اعتماد کیا جاسکتا ہے (کیونکہ ہمارے علاوہ کسی کو پیغمبرؐ نے قرآن کا ہمسر و ساتھی نہیں قرار دیا)۔ اور قرآن کے مطالب کے بارے میں ہم ظن و تخمین کی راہ پر نہیں چلتے، بلکہ ہمیں اس کے حقائق (و رموز) کا کامل یقین ہے۔

لہٰذا ہماری اطاعت کرو، کیونکہ ہماری اطاعت (خدا اور رسولؐ کی جانب سے) تم پر فرض ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ قدرت ہے کہ:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (خدا کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو) اس طرح اولی الامر کی اطاعت کو خدا و رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ قرار دیا گیا ہے۔ (اور باہمی تنازعات و مسائل میں رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشادِ قدرت ہے کہ)

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ

(کہ اگر کسی بات میں تمہارے درمیان تنازعہ ہو جائے تو اسے خدا و رسولؐ کی بارگاہ میں پیش کر دو، اور اگر یہ لوگ رسولؐ اور اولی الامر کی خدمت میں اپنے مسائل کو پیش کر دیا کریں تو استنباط کرنے والے حضرات کو وہ بات معلوم ہو جائے گی)

اور اے لوگو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خبردار شیطان کے شور و غوغا پر توجہ نہ دینا کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ ورنہ (اگر تم نے شیطان کی بات پر توجہ دی تو) تمہارا شمار بھی اسی کے دوستوں میں ہوگا، (اور جیسا کہ قرآن مجید میں پروردگارِ عالم نے خبر دی ہے کہ: شیطان نے اپنے مطیع و فرماں بردار لوگوں سے کہا تھا کہ:

لَاغَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَکَصَ عَلٰی عَقِبَیْہِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ۔

لوگوں میں سے آج کوئی بھی تم پر غالب نہیں آنے گا، اور میں تو تمہارا حامی ہوں ۔ پھر جب دونوں جماعتیں نمودار ہوئیں تو وہ پیچھے پلٹ گیا اور اس نے کہا کہ میں تم سے بری ہوں (کیونکہ) میں وہ (چیزیں) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے)۔ (انفال: ۴۸)

تو اگر تم لوگوں نے بھی شیطان کی چیخ و پکار میں آکر فتنہ و فساد میں حصہ لیا تو عالم یہ ہو جائے گا کہ) نیزے تمہیں زخمی کر رہے ہوں گے، تلواریں ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہوں گی، تیر نشانہ بنا رہے ہوں گے، مہلک اسلحے تمہیں تباہ کر رہے ہوں گے، اور پھر (اس وقت ندامت اور پشیمانی کام نہ آئے گی، کیونکہ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے کہ):

لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِھَا خَیْرًا۔

(کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک (عمل) نہ کیا ہو)

(سورۂ انعام: ۱۵۸)

(لہٰذا تم بھی ہوشیار رہو، اور بجائے اس کے کہ بعد میں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ندامت کرو، ابھی سے میری نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کرو تو دنیا میں بھی رستگار ہو گے اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل کرو گے)

امام کا خطاب اور بیعت کرنے والوں کی خاموشی

ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ:

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ہوئے یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ جب دشمن سے جنگ کے لئے امام انھیں آواز دیں گے تو وہ لبیک کہیں گے۔

چنانچہ جب امیر شام کی ریشہ دوانیاں بڑھ گئیں تو امام نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

معشر الناس:

عفتِ الدیار، ومحیت الآثار، وقل الاصطبار فلا قرار علی همزاتِ الشیاطین وحکم الخائنین الساعة واللهِ صحّتِ البراهینُ وفصّلتَ الآیات وبانتِ المشکلات، ولقد کنا نتوقع تمام هذا الآیة تاویلها، قال الله عزّ وجلّ: وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم، ومن ینقلب علی عقبیه

فلن یضر الله شیئا، وسیجزی الله الشاکرین"
فلقد مات واللهِ جدی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وقتل ابی علیه السلام وصاح الوسواس الخناس فی قلوب الناس، ونعق ناعق الفتنة، وخالفتم السنّة فیالها من فتنة صماء عمیاء لا یسمع لداعیها ولا یجاب منادیها، ولا یخالف والیها، ظهرت کلمة النفاق وسیرت رایات اهل الشقاق، وتکالبت جیوش اهل المراق، من الشام والعراق، هلموا رحمکم الله الی الافتتاح، والنور الوضاح، والعلم الجحجاح والنور الذی لا یطفی، والحق الذی لا یخفی.

ایها الناس تیقظوا من رقدة الغفلة، ومن تکاثف الظلمة، فو الذی فلق الحبة، وبرأ النسمة وتردی بالعظمة، لئن قام الی منکم عصبة بقلوب صافیة، ونیات مخلصة، لا یکون فیها شوب نفاق ولا نیة افتراق، لاجاهدن بالسیف قدما ولأضیقن من السیوف جوانبها، ومن الرماح اطرافها، ومن الخیل سنابکها، فتکلموا رحمکم الله. فکأنما الجموا بلجام الصمت۔

• لوگو۔ (غور کرو) گھر سنسان ہو رہے ہیں، ماضی کے نقوش مٹ رہے ہیں، صبر و شکیبائی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ (اور) بنائے دین و شریعت کے راستے سے ہٹتے جا رہے ہیں لیکن ان لوگوں کو یاد رکھنا

چاہیئے کہ) شیطان کے ہتھکنڈے اور خیانت کار حکمرانوں کے فیصلے ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتے۔

قسم بخدا، اب تمام دلائل و براہین کی حقیقت آشکار ہو چکی ہے۔ آیاتِ الٰہی نمایاں ہیں اور پیچیدہ گتھیاں بھی کھل کر سامنے آگئی ہیں، اور ہم تو اس فرمانِ خداوندی کی کامل جلوہ گری کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ جس میں (موجودہ زمانے کے حالات کی ترجمانی کی گئی ہے اور) خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ، وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

(اور محمدؐ تو صرف اللہ کے رسول ہیں جن سے قبل بھی بہت رسولؐ گذر چکے ہیں، تو کیا اگر ان کی موت واقع ہو جائے یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ پچھلے پیروں (بے دینی کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص بھی (بے دینی کی طرف) پلٹ کر جائے گا (اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ) وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، خدا شکر گذار بندوں کو عنقریب جزا دے گا)

(اب صورتِ حال یہ ہے کہ) میرے جدِ بزرگوار حضرت پیغمبرِ اسلامؐ دُنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اور میرے والدِ ماجد (حضرت علی علیہ السلام) قتل کئے جا چکے ہیں اور شیطان ملعون (اپنی عادت کے مطابق) لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کر رہا ہے، فتنہ کی آواز بلند ہو رہی ہے، اور تم لوگ سنتِ رسولؐ کی مخالفت کر رہے ہو۔

افسوس۔۔ یہ کیسا اندھا اور بہرا فتنہ ہے کہ (بظاہر) اس کی طرف

دعوت دینے والے کی نہ تو آواز سنائی دے رہی ہے، نہ کسی منادی کی ندا پر لبیک کہی جا رہی ہے اور نہ اُس کے سرغنہ کی کوئی مخالفت کی جا رہی ہے۔

پس ایسا لگتا ہے کہ اچانک) نفاق کی بات نے سر ابھارا، اور نافرمانیوں کے پرچم لہرانے لگے، پھر شام و عراق کے سرکش دستے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو گئے۔

(اے لوگو!) اللہ تم پر رحم فرمائے، اُس سرچشمۂ ہدایت کی طرف رُخ کرو، جو جگمگاتے ہوئے نور اور لہراتے ہوئے پرچمِ علم و معرفت کی حیثیت رکھتا ہے) یہ ایسی روشنی ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گی اور ایسا حق ہے جو مخفی نہیں رہ سکتا۔

اے لوگو! خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ، اور گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکل کر روشنی کی طرف رُخ کرو)۔ قسم ہے اس ذات (کردگار) کی، جس نے دانے کو رُوئیدہ کیا، کائنات کو پیدا کیا اور جو عظمت و جلالت کا مالک ہے، اگر تم میں سے صرف ایک ایسا گروہ جو نفاق سے پاک ہو اور ساتھ چھوڑ جانے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، صاف دل اور خلوصِ نیت کے (راہِ خدا میں جہاد کرنے کے لئے) میرے ہمراہ اٹھ کھڑا ہو تو میں ثباتِ قدم کے ساتھ بھرپور جہاد کرنے، شمشیر زنی کے ذریعہ (دشمنوں پر) عرصۂ حیات تنگ کرنے، نیزہ بازی سے اطراف و جوانب کو پُر کر دینے اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے (میدانِ کارزار کو روند ڈالنے پر) تیار ہوں۔

بولو (کون میدانِ جہاد میں میرا ساتھ دینے پر تیار ہے؟) خدا تم لوگوں پر رحم کرے۔"

راوی کہتا ہے کہ:

"اس وقت سب لوگ اس طرح خاموش تھے جیسے ان کی زبانوں پر قفل پڑے ہوئے ہوں اور اُن کے لب سی دیئے گئے ہوں۔ کسی نے بھی امام علیہ السلام کی آواز پر لبیک نہ کہی نہ جہاد کے لئے کسی نے آمادگی ظاہر کی ——— امام علیہ السلام تھوڑی دیر تک لوگوں کے جواب کا انتظار کرتے رہے، پھر مختصر خطاب فرمایا)

غیرت دار بنو، انجام پر غور کرو

(صورت حال یہ ہو چکی تھی کہ معاویہ نے لوگوں کو خریدنے کے خزانوں کے مُنہ کھول دیئے تھے لوگوں کو بڑی سے بڑی پیشکش کی جارہی تھی اور امامؑ سے منحرف کرنے کے لئے لوگوں کو ورغلایا جارہا تھا جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے اور حاکم شام کے مہمان بن گئے۔ جب امام علیہ السلام نے یہ صورتِ حال دیکھی کہ لوگ بڑے بڑے وعدوں کی سنہری زنجیر میں بندھے ہوئے شام کی طرف چلے جا رہے ہیں تو آپ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو غیرت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا)

ویلکم! واللہ، إنّ معاویۃ لا یفی لأحدٍ منکم بما ضمنہ فی قتلی، و إنی اظن ان وضعت یدی فی یدہٖ فاسالمہ لم یترکنی أدین لدین جدّی، و إنی اقدر أن اعبد اللہ عزّوجلّ وحدی، ولکنی کأنی انظر الی ابنائکم واقفین علی أبواب ابنائھم، یستسقونھم یستطعمونھم، بما جعل اللہ لھم، فلا یسقون ولا یطعمون! فبعدا و سحقا لما کسبتہ ایدیھم، فسیعلم الذین ظلموا أیّ منقلب ینقلبون!

لوگو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

یاد رکھو! مجھے قتل کرانے کے لئے معاویہ جو لمبے چوڑے وعدے تم سے کر رہا ہے وہ ہرگز پورے نہ کرے گا اور اگر میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دوستی کر لوں تو بھی وہ مجھے میرے جدّ (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی شریعت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرنے دے گا۔ اور اگرچہ (اس صورت میں بھی) میں ذاتی طور پر خداوندِ عالم کی عبادت بجا لا سکوں گا (لیکن مومنین کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی قدرت باقی نہ رہے گی) اور میری نگاہِ بصیرت (مستقبل کی اِس کیفیت کو) دیکھ رہی ہے کہ تمہارے بیٹے بنی امیہ کے لڑکوں کے دروازوں پر کھڑے ہوئے کھانا اور پانی کی بھیک مانگ رہے ہیں لیکن وہ (اپنے غرور و طاقت کے نشہ میں) تمہارے بیٹوں کو نہ کھانے (کی بھیک) دینے پر تیار ہیں نہ پانی۔

اور نہایت رنج والم اور غم و اندوہ کی بات یہ ہے کہ اس بے حسی و بے غیرتی کے اسباب تم لوگ خود ہی فراہم کر رہے ہو (کہ دین کا راستہ چھوڑ کر اموی دسترخوان کی جوٹھی ہڈیوں کی طرف لپک رہے ہو)

اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اُن کا کیا انجام ہونے والا ہے۔

تم دین کو ٹھکرا کر دنیا کو اپنا رہے ہو۔؟

صاحبِ ناسخ التواریخ کہتے ہیں کہ: جب امام علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا کہ فوج کے خیالات پراگندہ ہیں سرداران لشکر چھپ چھپ کر معاویہ کے پاس جارہے ہیں اور کوفہ کے لوگ جنہوں نے آپ کی امامت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ سے وفاداری کا حلف اٹھایا تھا (آپ کی حفاظت کرتے ہوئے جان دے دینے کی قسم کھائی تھی) وہی آپ کے قتل کی سازش کر رہے ہیں تو آپ نے اتمام حجت کے طور پر ان لوگوں سے خطاب فرمایا چنانچہ حمد و ثنائے پروردگار بجالانے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

امَا واللّٰہِ مَا ثنَانا عَن قتَالِ اهلِ الشَامِ ذِلّۃً ولا قِلّۃً ولکن کنا نقاتلهم بالسَلامَۃِ والصَبرِ فشیبَ السَلامۃ بالعدَاوۃِ، والصَبر بالجزَعِ، وکُنتم فِی مسیرِکُم اِلیٰ صفّین وَدِینُکُم اَمَامَ دنیاکُم، وَقد اصبحتُم الیومَ ودُنیاکُم امامَ دِینِکُم، فکنا لکُم وکُنتم لنا وقد صِرتم الیومَ علینا ثم اصبحتُم تصدون قتیلین، قتیلاً بِصفّین تبکونَ علیہ، وقتیلاً بالنَهروان تطلبونَ بثارِ فأما الباکی فخاذِلٌ وأما الطالبُ فثائرٌ وإنَّ معاویۃَ قد دعا الیٰ أمرٍ لیس فیہ عزٌ ولا نَصَفَۃَ فإن اردتم الحیاۃَ قبلناہ منہ واغضینا علی القذیٰ وإنْ أردتم الموت بذلناہ فی ذاتِ اللّٰہ، وحاکمنا الیٰ اللّٰہِ (بظبات السیوف) فنادی القوم باجمعهم: بل البقیۃ والحیاۃ

اے بندگانِ خدا!

یاد رکھو کہ شامیوں سے جنگ کرنے سے مجھے نہ تو تمہاری (پسپائی) روک سکتی ہے نہ تعداد کی کمی۔ لیکن (صورت حال یہ ہے کہ) پہلے جب ہم لوگ ان شامیوں سے جنگ کرتے تھے تو باہمی اتحاد و اتفاق اور صبر و استقامت جیسی عظیم انسانی خوبیاں ہمیں سہارہ دیتی تھیں، لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ تمہاری صفوں میں اتحاد و اتفاق کی جگہ اختلاف و افتراق اور صبر و استقامت کے بدلے تردّد و گھبراہٹ لاحق ہے۔

کل (حضرت علیؑ کے زمانہ میں) جب تم لوگ جنگ صفین کے لئے روانہ ہوتے تھے تو دنیا تمہاری نگاہوں میں ہیچ تھی اور دین کی عظمت پیش نظر تھی لیکن آج یہ حال ہے کہ دین کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے اور دنیا کی فکر میں غلطاں ہو۔

کل ہمارے دل میں تمہاری اور تمہارے دل میں ہماری محبت تھی لیکن آج یہ صورت حال ہے کہ (تمہاری الفت ہمارے دل میں تو اسی طرح باقی ہے لیکن) تمہارے دل سے ہماری محبت ختم ہو چکی ہے عداوت گھر کر چکی ہے۔

دو قسم کے مقتولین اب تمہارے پیش نظر ہیں (۱) جنگِ صفین کے مقتولین جن پر تم روتے ہو اور (۲) جنگِ نہروان کے مقتولین جن کا انتقام لینا چاہتے ہو، حالانکہ جو رو رہا ہے وہ درحقیقت پسپائی اختیار کر چکا ہے، اور جو انتقام کا مطالبہ کر رہا ہے اس کے دل میں عداوت کی بھڑک رہی ہے۔

ایک طرف تمہاری یہ حالت ہے اور دوسری طرف) حاکم شام کی سرکشی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، اور اب اس نے حکومت پر قبضہ جمانے کیلئے)

ایسی پیشکش کی ہے جس میں نہ عدل و انصاف ہے نہ آبرومندی۔ لیکن اگر تم لوگ (ذلت و رسوائی کے ساتھ) زندہ رہنا چاہتے ہو تو میں اس کی پیشکش کو انتہائی مجبوری کے عالم میں قبول کرلوں اور اس سے دل کو جو تکلیف پہونچے گی اُسے برداشت کرلوں — البتہ اگر تم لوگ راہ خدا میں جان دینے پر آمادہ ہو تو ہم آگے بڑھیں' اور خدا کے فیصلے پر بھروسہ کرکے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔؟

جب امام علیہ السلام کی تقریر ختم ہوئی تو

سارے مجمع نے بلند آواز سے کہا کہ ہم جان بچاکر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ (چاہے اس میں ذلت و رسوائی ہی کیوں نہ ہو)

جو لوگ دُنیا کے غلام ہیں اُن سے وفا کی اُمید نہ رکھو

قبیلہ کندہ کے بیجا اصرار پر امامؑ نے اُن کے قبیلہ کے ایک آدمی حکم کندی کو ایک لشکر کا سردار بناکر شام کی طرف بھیجا' جب "انبار" نامی مقام تک پہنچا تو اس کے پاس معاویہ کا ایک نمائندہ کافی مال و دولت لے کر آیا' اور اُسے بہت سبز باغ دکھایا اور امامؑ کا ساتھ چھوڑنے کے لئے بڑی بڑی پیشکش کی' چنانچہ حکم کندی اُس کے ورغلانے میں آگیا اور معاویہ کے پاس چلا گیا' جب یہ خبر امامؑ تک پہونچی تو آپؑ کو بہت صدمہ پہنچا لیکن قبیلہ کندہ کے لوگوں نے دوبارہ بے پناہ اصرار کرکے ایک اور آدمی کو سردارِ لشکر بنواکر بھجوایا' جبکہ امامؑ اسے بھی پسند نہیں فرماتے تھے' لیکن قوم کی سرکشی اور بے پناہ اصرار کی بناء پر اُسے بھیجنا پڑا چنانچہ اُسے بھیجتے وقت آپ جلوہ افروز منبر ہوئے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے چند جملے ارشاد فرمائے:

هٰذا الكندي توجّه الى معاوية' وغدر بي وبكم' وقد أخبرتكم مرة بعد مرة : أنّه لا وفاء لكم' انتم عبيد الدنيا. وأنا موجّه رجلاً آخر مكانه وإني أعلم : أنه سيفعل بي وبكم ما فعل صاحبه "حكم" ولا يراقب الله فيّ ولا فيكم۔

یہ حکم کندی!۔

معاویہ سے جاکر مل گیا' اس نے میرے ساتھ بھی غداری کی اور تمہارے ساتھ بھی۔ (لیکن اس کے اس اقدام کے سلسلے میں تم قصوروار ہو کیونکہ) میں نے بار بار تمہیں سمجھایا تھا کہ یہ شخص بے وفا ہے' لیکن تم لوگ دنیا کے غلام بن کر رہ گئے ہو (من مانی کرتے رہتے ہو اور جس چیز میں دنیاوی فائدہ نظر آئے اسی کی طرف لپکتے ہو) اب میں (تم ہی لوگوں کے دوبارہ انتہائی اصرار پر) ایک اور شخص کو اُس کی جگہ بھیج رہا ہوں' لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہ بھی ہمارے اور تمہارے ساتھ وہی حرکت کرے گا جو اس کے ساتھی "حکم" نے کی ہے' اور یہ بھی اپنی دنیا طلبی میں' ہم لوگوں کے ساتھ دغابازی کرتے ہوئے (خدا اور اس کے احکام) کو بالکل نظر انداز کردے گا۔

فریب کاری

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ امام علیہ السلام کے لشکر کے سرداروں میں سے ایک ایک کر کے خاموشی سے جانے لگا، کیونکہ معاویہ بڑی مقدار میں مال و دولت خرچ کر کے اور بڑے بڑے وعدے کر کے ان کے ضمیر خرید رہا تھا، اور آخر کار ایسا بھی وقت آیا کہ کوفہ کے بڑے بڑے لوگ معاویہ کو خط لکھنے لگے کہ تم جب چاہو، ہم لوگ امام حسنؑ کو تمہارے سپرد کر دیں گے اور پھر بھی منافقین ملمع سازی کی نقاب اپنے چہروں پر ڈال کر امام حسنؑ کو اپنی وفاداری کا یقین بھی دلاتے تھے۔

چنانچہ امام علیہ السلام نے اُن لوگوں سے فرمایا کہ:

"تم لوگ غلط بیانی سے کام لے رہے ہو، جو ذات مجھ سے افضل تھی (یعنی امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام) جب تم نے ان سے وفا نہ کی تو مجھ سے کیا وفا کرو گے؟

لیکن جب اُن لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ سچ بول رہے ہو تو (میں تمہیں اتمام حجت کے طور پر ایک اور موقع دیتا ہوں)۔

مدائن کی فوجی چھاؤنی ہماری ملاقات کی جگہ ہے، لہٰذا تم سب وہاں پہونچو۔ (میں بھی وہیں آرہا ہوں)

لیکن جب امام علیہ السلام مدائنؑ پہنچے تو پتہ چلا کہ لشکر کی بہت بڑی تعداد ساتھ چھوڑ چکی ہے، جس سے امامؑ کو بہت صدمہ پہنچا۔ اس وقت آپؑ نے ایک خطبہ دیا، جس کے الفاظ یہ تھے۔

غَرَرْتُمُوْنِی کَمَا غَرَرْتُمْ مَنْ کَانَ قَبْلِی مَعَ اَیِّ اِمَامٍ تُقَاتِلُوْنَ بَعْدِی مَعَ الْکَافِرِ الظَّالِمِ الَّذِی لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَلَا بِرَسُوْلِہٖ قَطُّ وَلَا اَظْهَرَ الْاِسْلَامَ ھُوَ وَبَنُوْ اُمَیَّةَ اِلَّا فَرَقًا مِنَ السَّیْفِ!

وَلَوْ لَمْ یَبْقَ لِبَنِیْ اُمَیَّةَ اِلَّا عَجُوْزٌ دَرْدَاءُ لَبَغَتْ دِیْنَ اللّٰہِ عِوَجًا، وَھٰکَذَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

(افسوس صد افسوس)!

جس طرح تم لوگوں نے اِس سے قبل (حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ) غداری کی تھی اُسی طرح میرے ساتھ بھی غداری کی۔

اچھا یہ بتاؤ کہ میرے بعد کس امام و پیشوا کی رہنمائی و معیت میں تم اُس ظالم و بے دین سے جنگ کرو گے جو نہ خدا پر ایمان رکھتا ہے نہ رسولؐ پر اور جس نے اسلام کو دل سے کبھی قبول ہی نہیں کیا (البتہ) جب تلوار کا خوف (آنکھوں کے سامنے) نظر آنے لگا تو بنی امیہ کے دوسرے افراد کے ساتھ اُس نے بھی اسلام کا اظہار کیا۔ (حالانکہ ان لوگوں کی قلبی کیفیت یہ ہے کہ) اگر بنی امیہ (کے پورے خاندان) میں صرف ایک بوڑھی کھوسٹ عورت باقی رہ جائے تو اس کی بھی کوشش و تمنا یہی ہو گی کہ دین کو تباہ کر کے رکھ دے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بتا چکے ہیں)

اِن سے تو دشمن ہی بہتر ہے

جب اسلامی تاریخ میں یہ حادثہ بھی گزر چکا کہ امام حسن علیہ السلام کی بیعت کرنے والوں ہی نے آپ کے گھر پر حملہ کر کے آپ کو زخمی کر دیا اور آپ کو قیدی بنا کر معاویہ کے سپرد کرنے کی سازش کی جس کے نتیجہ میں آپ کا جسم مبارک بھی زخمی ہو گیا... تو اسی اثناء میں زید بن وہب جہنی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہنے لگے : "اے فرزند رسول! لوگوں میں اضطراب ہے اور وہ پریشان ہیں کہ کیا کریں، ایسی صورت میں آپ انھیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو امام علیہ السلام نے (انتہائی رنج و غم کے عالم میں) ارشاد فرمایا کہ :

أری واللّٰہِ أنَّ معاویۃَ خیرٌ لی من ھؤلاءِ، یزعمون أنھم لی شیعۃ ابتغوا قتلی، وانتھبوا ثقلی، وأخذوا مالی، واللّٰہِ لأن آخذَ من معاویۃَ عھداً أحقن بہ دمی، وآمَنُ من أن یقتلونی فیضیعَ أھلُ بیتی، واللّٰہِ لو قاتلت معاویۃَ لأخذوا بعنقی حتی یدفعونی الیہ سلماً، فواللّٰہِ لأن اسالِمَہ وأنا عزیزٌ، خیرٌ من أن یقتلنی وأنا اسیرہ أو یَمُنَّ علیَّ فیکونَ سُبّۃً علی بنی ھاشم الی آخرِ الدھرِ، ومعاویۃ لا یزال یمنّ بھا وعقبہ علی الحیِّ منا والمیت

وما أصنع یا اخا جھینہ؟! إنی واللّٰہِ أعلم بامرٍ قد أدی بہ إلا عن ثقاتہ: إنَّ امیرَ المؤمنین قال لی ذاتَ یومٍ وقد رآنی فرحًا: یا حسن اتفرح؟ کیفَ بک اذا رأیتَ ھذا الأمرَ بنو أمیۃَ وامیرھا

الرحیب البلعوم، الواسع الأعفاج یأکل ولا یشبع یموت ولیسَ لہ فی السّماءِ ناصرٌ ولا فی الارض عاذر ثم یستولی علی غربھا وشرقھا تدین لہ العباد ویطول ملکہ یستن بسنن البدع والضلال ویمیت الحق وسنۃَ رسولِ اللّٰہ یقسم المالَ فی اھل ولایتہ ویمنعہ من ھو احقُّ بہ، ویذلُّ فی ملکہِ المؤمنَ ویقوّی فی سلطانہِ الفاسقَ، ویجعل المالَ بین انصارہِ دولاً، ویتخذ عبادَ اللّٰہ خولاً، ویدرس فی سلطانہِ الحقّ ویظھر الباطل، ویلعن الصالحین، ویقتل من ناواہ علی الحقّ ویدین من والاہ علی الباطل فکذلکَ حتی یبعثَ اللّٰہ رجلاً فی آخرِ الزمان، وکلب من الدھر وجھل من الناس یؤیّدہ اللّٰہ بملائکتہِ، ویعصم انصارہ وینصرہ بآیاتہِ، ویظھرہ علی الارضِ حتی یدینوا لہ طوعاً وکرھاً، یملأُ الأرضَ عدلاً وقسطاً، ونوراً وبرھاناً، یدین لہ عرض البلاد وطولھا حتی لا یبقی کافر إلا آمن وطالح إلا صلحَ وتصطلحُ فی ملکہ السباع، وتخرج الارض نبتھا وتنزل السماء برکتھا، وتظھر لہ الکنوز، یملک ما بین الخافقین اربعین عاماً، فطوبی لمن أدرکَ ایامَہ وسمعَ کلامَہ"

اے جہنی!... اِن لوگوں سے تو دشمن ہی بہتر ہے، یہ لوگ ہم سے محبت

کے دعوے دار بھی ہیں) اور پھر ہمارے خلاف سازشیں بھی کر رہے ہیں (اِن لوگوں نے میرے قتل کی کوشش کی، میرا مال اسباب لوٹ لے گئے، میرے مال پر قبضہ کر لیا) اور چاہتے ہیں کہ مجھے قیدی بنا کر حاکم شام کے سُپرد کر دیں) -- اس سے تو بہتر یہی ہوگا کہ میں معاویہ سے معاہدہ کر لوں اور امن و سلامتی کے ساتھ زندگی گذاروں، بجائے اس کے کہ یہ لوگ (جو میری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں) مجھے قتل کر کے میرے گھر والوں کو تباہ کر دیں ----

اور اب اگر میں دشمن سے جنگ کرنے نکلوں تو یہی لوگ (جنھوں نے میرا ساتھ دینے کی قسم کھائی تھی) مجھے قیدی بنا کر امیرِ شام کے سُپرد کر دیں گے۔

(اور یہ بات تو تم بھی اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ) ذلت و رسوائی کے ساتھ قید ہو کر معاویہ کے ہاتھوں قتل ہونے سے بہتر یہ ہے کہ میں معزز طریقہ سے اُس کے ساتھ معاہدہ کر لوں یا (اگر ایسی صورتِ حال پیش آئے کہ یہ لوگ مجھے قیدی بنا کر معاویہ کے سپرد کر دیں اور وہ مجھے قتل کرنے کے بجائے) مجھ پر احسان جتا کر مجھے زندہ رہنے دے تو یہ بات میرے خاندان کے لئے رہتی دنیا تک باعثِ ننگ و عار ہوگی اور معاویہ اور اس کی اولاد در اولاد ہمیشہ ہمارے اہلِ خاندان کو اس کا طعنہ دیتے رہیں گے۔

اے جہنی! -- ایسی صورت میں میں ان لوگوں کو کیا حکم دے سکتا ہوں ہے -- اور مجھے تو اچھی طرح معلوم ہے کہ مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے (کیونکہ) ایک روز کا واقعہ ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ نے مجھے کسی بات پر خوش دیکھا تو فرمایا تھا کہ:

"اے نورِ نظر! آج تم بہت خوش نظر آ رہے ہو لیکن اس دن تمہارا کیا

لم ہوگا، جب تمہاری نگاہوں کے سامنے تمہارے مقتول باپ کا لاشہ!

ہوگا؟ -- اور پھر اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب بنی امیہ کی سلطنت قائم ہو جائے گی اور ایک بد سرشت و بد انجام شخص حاکم بن بیٹھے گا جو زندگی بھر مسلسل کھاتا رہے گا مگر موت آنے تک اُس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔

عرش والوں میں کوئی اُس کا ناصر اور زمین والوں میں کوئی اس کی معذرت قبول کرنے والا نہ ہوگا، مشرق سے مغرب تک اس کی حکومت کا جال پھیل جائے گا۔ وہ لوگوں کو اپنا غلام بنا کر اپنی سلطنت کو بڑھاتا جائے گا بدعت و گمراہی کی باتوں کو زیادہ سے زیادہ ایجاد کرے گا -- حق و صداقت کو مٹائے گا اور حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کو پامال کرے گا -- بیت المال کے خزانے کو اپنے اہلِ حکومت پر لٹائے گا۔ اور حقداروں کو محروم کرے گا -- اُس کے عہدِ حکومت میں اہلِ ایمان بکثرت بدحالی کا شکار اور اہلِ نفاق طاقتور اور مالا مال ہوں گے -- اللہ کے مال کو اپنے دوستوں کا آزوقہ اور بندگانِ خدا کو اپنا زرخرید بنائے گا ----

اس کی سلطنت کے زیرِ سایہ باطل کو پروان چڑھایا جائے گا، حق کو مٹایا جائے گا، اللہ کے نیک اور صالح بندوں پر لعنت کی جائے گی -- جو لوگ اس ظلم و ستم پر فریاد کریں گے انہیں قتل کر دیا جائے گا، اور جو اس ظالمانہ طرزِ حکومت کی تائید کریں گے انھیں زیادہ سے زیادہ نوازا جائے گا۔

اے نورِ نظر -- اس دور میں ظلم و جور کی ایسی بنیاد رکھی جائے گی کہ پھر مادرِ گیتی پر صدیوں کے لئے ظلم و ستم کی گھنگھور گھٹائیں چھا جائیں گی، ایک ظالم کے بعد دوسرا ظالم اور ایک عہدِ حکومت کے بعد دوسرا عہدِ حکومت بدلتا رہے گا، لیکن ظلم و ستم سے انسانیت کو نجات نہ مل سکے گی، یہاں تک

جب ساری دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی اور لوگوں کی ضلالت و سرکشی انتہا کو پہونچ جائے گی..... تو آخری زمانہ میں اللہ کی طرف سے (بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے) ایک ایسا شخص بھیجا جائے گا جس کی تائید و نصرت خدا کے مقرب بارگاہ فرشتے کریں گے۔ اللہ کی آیتوں کے ذریعہ اُسے مدد پہونچائیں گے، اُس کے ماننے والوں کی حفاظت کریں گے اور اُسے زمین پر غالب آنے کا موقع فراہم کریں گے۔

یہاں تک کہ دنیا بھر کے تمام اشخاص اس کے آگے سر تسلیم خم کردیں گے اور وہ آنے والا زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا ہر طرف دلائل کی روشنی ہوگی (حق کا بول بالا ہوگا) زمین کے طول و ارض میں تمام لوگ اُس کے دین کو قبول کرلیں گے، تمام کفار ایمان لائیں گے، تمام بد سرشت لوگ نیکی کے راستے پر چلنے لگیں گے، درندے اور وحشی جانور بھی رام ہوجائیں گے، زمین اپنے خزانے انڈیل دے گی، آسمان سے برکتیں نازل ہوں گی، خزانوں کے منہ کھل جائیں گے (ہر قسم کی فراوانی ہوگی)۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک امامِ برحق کی حکمرانی ہوگی جس کا سلسلہ چالیس برس تک جاری رہے گا۔

وہ لوگ بہت خوش نصیب ہوں گے جنھیں اُس زمانے میں زندگی گذارنے اور امامؑ کے فرمان پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہوگی۔

معاہدہ کے بعد قوم سے خطاب

منقول ہے کہ جب حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور امیر شام کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تو اس موقع پر تمام لوگوں کو جمع کرکے اس معاہدے کے بارے میں بتایا گیا۔

جب سب لوگ جمع ہوگئے، تو امیر شام نے منبر پر جاکر اس معاہدے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ:

اے لوگو! — میں تم سے اس لئے جنگ نہیں کر رہا تھا کہ تم لوگوں کو نماز، روزے، حج اور زکواۃ وغیرہ کا حکم دوں، یہ سب کام تو تم لوگ کرتے ہی رہتے ہو، میں نے ساری لڑائی اس لئے مول لی تھی کہ تم پر حکومت کرنے لگوں، جس کا موقع مجھے نصیب ہوگیا، اگرچہ تم لوگوں کو پسند نہیں ہے۔"

یہ کہنے کے بعد اُس نے امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں کچھ گستاخی بھی کی۔

جسے سن کر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ناراض ہوئے اور منبر پر جاکر آپ نے معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی اور اپنے خاندان کی عظمت و جلالت کو بھی بیان فرمایا، اور امیر شام اور اُس کے خاندان والوں کی گمراہی و ضلالت کو بھی بیان فرمایا۔ آپؑ نے فرمایا۔

ایہا الذاکر علیاً، انا الحسن وابی علی وانت معاویۃ
وابوک صخر، وامی فاطمۃ و امک ھند وجدی

رَسُولُ اللہ، وجَدُّكَ عتبةُ بنُ ربيعةَ، وجَدَّتي خديجةُ
وَجدّتكَ فتيلةُ، فلعنَ اللہُ أخملنا ذكراً وألأمنا
حَسَباً وشرّنا قديماً وحديثاً، واقدمنا كفراً ونفاقاً

(اے زبان دراز)۔
علیؑ کا ذکر سوچ سمجھ کر کرو۔ میں حسنؑ ہوں اور میرے والد حضرت علیؑ تھے، تم معاویہ ہو اور تمہارے باپ کا نام (ابوسفیان) صخر ہے، میری مادرِ گرامی (خاتونِ جنت حضرت) فاطمہ زہراؑ ہیں اور تمہاری ماں ہندہ (جگر خوارہ ہے جس نے حضرت رسول خدا کے چچا جناب حمزہؓ کی شہادت کے بعد اُن کا کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی تھی) میرے جد حضرت رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور تمہارے جد عتبہ بن ربیعہ تھے۔ میری جدّہ ماجدہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؑ تھیں، اور تمہاری جدّہ کا نام فتیلہ تھا.... (اس طرح ہمارے خاندان کے تمام افراد دین وایمان کے ستون اور اسلام کے آفتاب و ماہتاب ہیں جبکہ تمہارے خاندان کے تمام افراد دین ومذہب کے باغی اور کفر وشرک کے علمبردار ہیں)

آؤ! بارگاہِ معبود میں دعا کریں کہ ہمارے اور تمہارے خاندان میں سے جو بھی ذلیل وخوار، حسب نسب کے اعتبار سے پست اور زمانہ قدیم وجدید میں کفر ونفاق کی آماجگاہ ہو، اس پر خداوندِ عالم اپنی لعنت نازل کرے۔"

(جب امام علیہ السلام کی گفتگو ختم ہوئی تو ہر طرف سے تحسین وآفرین کے ساتھ "آمین آمین" کے الفاظ دہرائے جانے لگے، اور جس نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا اس نے اپنے نام کو آمین کہنے والوں میں شامل کرنے کی فرمائش کی۔

امام عالی مقامؑ کے ان فی البدیہہ کلمات کے بعد معاویہ کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوسکی، اور عافیت اسی میں سمجھی کہ تقریر ختم کرکے منبر سے نیچے آکر خاموشی سے بیٹھ جائے، چنانچہ اس کے بعد نواسۂ رسولؐ سردارِ جوانانِ جنت حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام رونق افروز ہوئے، اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ):

"تمام تعریفیں خدائے دوجہاں کے لئے ہیں جب بھی کوئی حمد کرنے والا اس کی حمد وثناء بجالائے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے برحق کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ چاہے جب بھی کوئی اُس کی (توحید کی) گواہی دے (وہ بھی گواہی دے گا کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے)۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے اور اُس کے رسول ہیں جنھیں اُس نے ہدایت کے ساتھ بھیجا، اور اپنی وحی کا امانت دار بنایا۔

قسم بخدا۔
میں پروردگار عالم کے فضل وکرم سے اپنے دن کا آغاز اس طرح کرتا ہوں کہ مجھے امید ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے اس کی مخلوقات کے لئے سب سے زیادہ مخلص ہوں اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اپنے دل میں کسی مسلمان کے لئے کوئی رنجش رکھی ہو، یا اس کے لئے بُرا ارادہ کیا ہو یا اسے نقصان پہونچانے کا میرے دل میں خیال آیا ہو۔

اور تم لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اجتماع میں رہ کر جو نامناسب باتیں (برداشت کرنی) ہوتی ہیں وہ انتشار کی حالت میں حاصل ہونے والی

(تنہائی اور اُس کے) فوائد سے کہیں بہتر ہے۔

اور تم لوگ اپنے بارے میں جتنا سوچ سکتے ہو اس سے زیادہ تمہاری بھلائی کا خیال مجھے رہتا ہے' لہٰذا میری مخالفت نہ کرو اور میری رائے سے گریز نہ کرو — پروردگار عالم کی مغفرت سب کے شاملِ حال رہے اور وہ ہماری اور تمہاری —(سب کی) — رہنمائی ایسے امور کی طرف کرے جن میں اُس کی رضا و خوشنودی ہو۔

اے لوگو ——

سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو تقویٰ کے راستے پر چلے اور انتہائی بے عقل وہ ہے جو بدکاری کی راہ کو اپنائے (لہٰذا کبھی تقویٰ کو نہ چھوڑنا' اور فسق و فجور کی طرف قدم نہ بڑھانا)

اور (یاد رکھو) اگر اس پوری کائنات کے اندر ایسا شخص تلاش کرو جس کے جدِ بزرگوار خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں تو سوا میرے' اور میرے بھائی حسینؑ کے' تمہیں کوئی اور شخص نہیں مل سکتا۔

اور تم لوگ یقیناً یہ بات بھی جانتے ہو کہ پروردگار عالم نے میرے جدِ بزرگوار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ تمہیں ہدایت عطا کی' گمراہیوں سے تمہیں نجات دی' تمہاری جہالت کو برطرف کیا۔ ذلت و رسوائی سے تمہیں نکال کر تمہیں عزت و افتخار (کے اوج) کمال تک پہنچایا اور (بالآخر مسلمانوں کی) تھوڑی سی تعداد کو جمِ غفیر میں بدل دیا۔

معاویہ نے مجھ سے ایک ایسے مسئلہ میں محاذ آرائی کی جس میں حق و انصاف میرے ساتھ تھا اور اُسے میرے خلاف محاذ آرائی کرنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا، لیکن اس نے محاذ آرائی میں ایسی شدت اختیار کی کہ تمام مسلمانوں کی جان خطرے میں پڑ گئی (چنانچہ) میں نے اُمت کی فلاح و بہبود کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اور قوم کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لیے صُلح کے معاہدہ کو قبول کر لیا۔

تم لوگ مجھ سے عہد و پیمان کر چکے ہو کہ میں کسی سے جنگ کروں یا صُلح' دونوں صورتوں میں تم میرے فرماں بردار رہو گے تو اب جبکہ میں صلح کا معاہدہ کر رہا ہوں' اور جنگ بندی کو قبول کرتے ہوئے اس کی حکومت کو تسلیم کر رہا ہوں (تو تمہیں بھی اپنے عہد و پیمان کے مطابق اس فیصلہ کو قبول کرنا چاہیئے) کیونکہ میں جانتا ہوں کہ (اس وقت لوگوں کی جان کی حفاظت جنگ و خونریزی کی بہ نسبت بہت بہتر ہے۔

اے لوگو ——

اللہ نے ہمارے جد (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ذریعے تمہیں ہدایت عطا کی' اور اب ہمارے .... ذریعہ تمہاری جان کی حفاظت کی ہے — اس معاہدہ کی بھی ایک مدت ہے .. اور دنیا تو بہر حال انقلابات کی آماجگاہ ہے — خداوندِ عالم نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ:

أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ، إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ، وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ.

(آیا قریب ہے یا دور ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے! بیشک (خداوندِ عالم) ظاہر بات کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔

اور کیا معلوم؟ ممکن ہے یہ تمہارے لئے آزمائش ہو اور ایک مقررہ مدت تک فائدہ (پہونچانا مقصود) ہو۔ (سورۂ انبیاء: ۱۱۰-۱۱۱)

معاویہ کا خیال کہ میں اُسے تو حکومت کا حقدار سمجھتا ہوں لیکن خود کو نہیں سمجھتا (جس کا اظہار بھی اس نے دورانِ تقریر کیا ہے) حالانکہ وہ دروغ بیانی سے کام لے رہا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں پروردگارِ عالم نے ہم لوگوں کو سب سے بہتر قرار دیا ہے، اور نبی اکرمؐ کی زبانی اس کا اعلان بھی فرد یا گیا۔

البتہ (اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ) ہم اہلبیت پیغمبرؐ پر حضورِ اکرمؐ کی وفات کے بعد مسلسل ظلم ڈھایا گیا، اور ہم خداوندِ عالم کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں کہ وہ ہمارے، اور ان ظالموں کے درمیان انصاف کرے، جنھوں نے ہمارا حق چھینا، ہم پر جبر و استبداد کے ذریعہ حاکم بن بیٹھے، لوگوں کو ہمارے خلاف ورغلایا، اموالِ فیٔ جو ہمارا حصہ تھا اس سے ہمیں محروم کر دیا۔ حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو (فدک) ہماری مادرِ گرامی کو عطا فرمایا تھا اسے بھی ان لوگوں نے غصب کر لیا (اور ایسے ایسے لوگوں کو شریکِ اقتدار کیا گیا جن کے وہم و گمان میں بھی رسولؐ کے زمانہ میں یہ نہیں آسکتا تھا کہ وہ پیغمبرؐ کے بعد

مسلمانوں کے حاکم بن بیٹھیں گے۔

قسم بخدا۔ اگر یہ لوگ حضرت رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد میرے پدرِ بزرگوار حضرت علیؑ کی بیعت کر لیتے (جن کے بارے میں رسولِ مقبولؐ نے ساری زندگی تاکید فرمائی تھی۔ تو آج اسلامی معاشرے کی کچھ اور شان ہوتی) زمین و آسمان سے رحمت و برکت کا نزول ہوتا، اور اے معاویہ.... تم جیسے لوگ کبھی اس کی امید بھی نہیں کر سکتے تھے کہ تمہیں حکومت مل سکے گی کیونکہ تمہارا خاندان ساری زندگی اسلام اور مسلمانوں سے جنگ کرتا رہا ہے)

لیکن جب اس شرعی حکومت کو اس کے مرکز سے ہٹا دیا گیا، اور قریش کے لوگ اس کے بارے میں باہم دست و گریباں ہونے لگے تو طلقاء و فرزندانِ طلقاء — تم اور تمہارے ساتھی — بھی اس کے امیدوار بن بیٹھے۔

حضرت رسولِ خداؐ کا فرمان ہے کہ:

"اگر ایک بلند مرتبہ صاحبِ علم کے موجود ہوتے ہوئے کسی کمتر درجے والے شخص کو لوگ اپنا حاکم بنا لیں گے تو ان کے معاملات اس وقت تک پستی و کجروی کا شکار رہیں گے جب تک کہ وہ (اپنی اصلاح نہ کر لیں اور) صاحبِ حق تک اُس کا حق پہنچا نہ دیں۔"

(جس طرح) جنابِ موسیٰؑ کی قوم، بنی اسرائیل کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت موسیٰؑ نے جنابِ ہارونؑ کو اپنا جانشین بنایا ہے لیکن قوم نے ان کو چھوڑ کر سامری کی فرماں برداری قبول کر لی — (اسی طرح)

حضرت رسولِ خدا کی اُمت نے حضرت علی علیہ السلام کو چھوڑ کر دوسروں کی بیعت کر لی جبکہ یہ لوگ پیغمبرِ اسلام کا یہ ارشاد بھی سن چکے تھے کہ:

یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ اِلَّا النُّبُوَّۃَ

"اے علیؑ ــــ میرے نزدیک تمہاری وہی منزلت ہے جو حضرت موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کی تھی، فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا)

اور (پیغمبرؐ کی) امت کے لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت رسولِ خداؐ نے غدیرِ خم میں حضرت علیؑ کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے ان کی خلافت و جانشینی کا اعلان کیا تھا، اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ جو لوگ اس وقت یہاں موجود ہیں وہ یہ بات ان لوگوں کو بھی بتا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

اور (پھر یہ بات بھی اُمت کے لوگوں کو معلوم ہے کہ) جب تبلیغِ رسالت اور بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے دوران رسولِ مقبولؐ پر کفار و مشرکین نے عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو مجبوراً آپؐ نے شعبِ ابی طالب میں پناہ لی (اور کافی عرصہ تک وہیں مقیم رہے) حالانکہ اگر اُمت کے افراد ان کی مدد کرتے تو رسولؐ کو اپنے خاندان کے ساتھ اُس جگہ پناہ لینے کی ضرورت نہ پیش آتی۔

اور یہ بات بھی سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جب رسولِ مقبولؐ نے رسالت کی تبلیغ شروع کی اور) قوم کو پکارا تو صرف میرے پدرِ بزرگوار ہی تھے جو رسولؐ کی نصرت کے لئے آگے بڑھے۔

و

(اور جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت ہارونؑ کا

ساتھ چھوڑا) اور حضرت ہارونؑ کے پکارنے پر بھی ان کی مدد کو نہ آئے، بلکہ اُن (کے پشت پناہ لوگوں کو اُن سے دور کر کے اُن کو کمزور کر دیا، اور قریب تھا کہ انھیں قتل ہی کر دیں تو جناب ہارونؑ کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ خاموش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لیں) اور جب پیغمبرِ اسلام نے تبلیغِ رسالت کے موقع پر دیکھا کہ (ایک طرف قریش نے بائیکاٹ کر رکھا ہے دوسری طرف آپؐ کی امت کے افراد بھی مدد و نصرت نہیں کر رہے ہیں تو مجبوراً آپ شعب ابی طالب میں محصور ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح جب (وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد میرے پدرِ بزرگوار کے حق کو لوگوں نے تسلیم نہیں کیا تو انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کی، اور اب جبکہ مجھے میرے حق سے محروم کیا جا رہا ہے تو میں گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور ہوں... یہ سب تاریخِ انسانی کی وہ مثالیں ہیں جو مختلف زمانوں میں پیش آتی رہی ہیں (اور آج بھی ان کا سلسلہ جاری ہے)

قسم ہے اُس (ربِ ذوالجلال) کی جس نے حضرت محمد مصطفےٰؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ ہم اہلبیتؑ کے حق میں جو شخص بھی کمی کرنے کی کوشش کرے گا اس سے خدا مواخذہ کرے گا اور اس کے ایمان (و شعور) علم میں کمی کر دے گا اور ہم پر جو ظلم بھی ڈھایا جائے گا، اس کا اللہ ہمیں ضرور بہتر عوض دے گا لیکن تم لوگوں کو اس کا بعد میں پتہ چلے گا (تمہاری نگاہ دنیا پر ہے ہماری نگاہ آخرت پر ہے)۔[1]

---

[1] حوالہ کے لئے دیکھئے: مسعودی بحاشیہ ابن اثیر جلد ۲، ابن کثیر جلد ۱، بحار الانوار جلد ۱۰

اہلِ کوفہ کی بےوفائی

یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالبؑ اہلِ کوفہ کی بے وفائیوں سے بہت دل گرفتہ رہتے تھے، جس کا بخوبی اندازہ "نہج البلاغہ" کے اُن خطبات سے بھی ہوتا ہے، جو آپؑ نے اہلِ کوفہ کو تنبیہ و سرزنش کرتے ہوئے فرمائے ہیں:

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے خطبہ میں اہلِ کوفہ کو ان کی اس روش کی طرف متوجہ فرمایا ہے، چنانچہ امامؑ نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

خَالَفتُم أَبِي حتّى حَكَّمَ وهو كارهٌ، ثم دعاكُم
إلى قتالِ أهلِ الشام بعدَ التحكيمِ فأبَيتُم، حتّى صارَ
إلى كرامةِ اللهِ، ثم بايعتموني على أن تسالموا من
سالمني وتحاربوا من حاربني، وقد أتاني أنَّ
أهلَ الشرفِ منكم قد أتوا معاويةَ فبايعوه،
فحسبي منكم لا تغرّوني من ديني ونفسي۔
يا أهلَ العراق: إنما سخي عنكم بنفسي ثلاث:
قتلُكم أبي، وطعنُكم إيّاي، وانتهابُكم متاعي۔

تم ہی لوگوں نے (اس کے قبل) میرے پدرِ بزرگوار کے حکم سے نافرمانی کی تھی اور اُنھیں تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا تھا... پھر وہ شامیوں سے جہاد

کے لئے تمہیں بلاتے رہے، اور تم انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ میرے پدرِ بزرگوار دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اس کے بعد تم لوگوں نے اس عہد و پیمان کے ساتھ میری بیعت کی تھی کہ جس سے میں صلح کروں تم بھی صلح کرنا، جس سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرنا، لیکن (تم نے اپنے عہد و پیمان کا کوئی پاس و لحاظ نہ کیا) میں نے دشمن سے جنگ کے لئے تمہیں دعوت دی تو تم چیخنے لگے کہ ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں، چاہے کیسی ہی رسوائی کی زندگی ہو۔ اور جب میں نے مجبوراً صلح نامہ کو قبول کر لیا تو تم لوگ اس پر بھی تنقید کر رہے ہو اور تمہارے قبیلوں کے سردار اور سربرآوردہ لوگ (چھپ چھپ کر) امیرِ شام کی بیعت کر رہے ہیں (اور تم لوگ دشمن سے مسلسل ساز باز کر رہے ہو لہٰذا مجھے فریب دینے کی کوشش نہ کرو)، میں تمہاری ان مکاریوں کے دام میں نہیں آ سکتا۔

اے عراق کے لوگو۔

ہم نے تمہارے تین (بدترین) جرائم سے درگزر کیا ہے۔ (۱) تم لوگوں نے میرے والد کو شہید کیا (ہم نے صبر کیا) (۲) تم نے ناحق مجھے زخمی کیا (میں نے اُف نہ کیا) اور (۳) تم نے ہمارا گھر لوٹ لیا (ہم خاموش رہے)

اعوان و انصار کی کمی

احتجاج طبرسی کی روایت ہے کہ:

ایک شخص نے صلحنامہ کے سلسلہ میں امام علیہ السلام پر تنقید کی، تو آپؑ نے فرمایا:

وَاللّٰہِ اِنّی مَا سَلَّمْتُ الامرَ اِلَّا لِاَنِّی لَمْ اَجِدْ انصاراً
ولو وَجَدْتُ انصاراً لقاتَلْتُہ لیلِیَ وَنَہاری حتّٰی
یَحکُمَ اللّٰہُ بینِی وبینَہٗ، ولکنْ عرفتُ اھلَ الکوفَہ
وبلوتُہُم ولا یَصلحُ لِی منہم مَنْ کانَ فاسداً اِنَّہم
لَا وفاءَ لہم ولا ذمّۃَ فِی قولٍ وَلَا فعلٍ اِنَّہُم مختلفون
وَیقولونَ لنا اَنَّ قلوبَہم معنا وَاَنَّ سیوفَہم
لمشہورۃ علینا.

(قسم بخدا۔ میں نے صرف اس بنا پر صلحنامہ پر دستخط کر دیئے کہ مجھے اعوان و انصار نظر نہیں آ رہے تھے، ورنہ اگر لوگ میری مدد پر کمربستہ ہوتے تو میں روز و شب جنگ کرنے پر تیار تھا۔

میں نے اہلِ کوفہ کو بہت آزمایا، لیکن جو شر انگیزی میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ خیر کے راستے پر نہیں آ سکتے، اُن میں نہ کوئی وفاداری ہے، نہ وہ اپنے قول و فعل کی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں، بس اختلاف کرتے رہتے ہیں زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ وہ دل سے ہمارے ساتھ ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں)

قوم کی فلاح و بہبود

تاریخ ابنِ عساکر میں ہے کہ:

مسیب بن نجبہ نے صلحنامہ پر تعجب ظاہر کیا، اور امام علیہ السلام سے گذارش کہ چونکہ فریقِ مخالف اپنے عہد و پیمان کی پاسداری نہیں کر رہا ہے لہٰذا آپ بھی معاہدہ کو کالعدم قرار دے دیجئے۔ تو امامؑ نے فرمایا:

یَامُسَیّبَ اِنّی لو اُردتُ - بما فعلتُ - الدّنیا لم یکن معاویۃ
باصبرَ عندَ اللقاءِ وَلَا اَثبتَ عندَ الحربِ مِنِّی ولکنّی
اُردتُ صلاحَکم وکفَّ بعضِکُم عن بعضٍ.

اے مسیب۔! اگر مجھے دنیاوی جاہ و حشم کی خواہش ہوتی (اور بہر صورت نبرد آزمائی ہی کرنی ہوتی تو تم دیکھتے کہ) میرا مدِمقابل نہ تو میدانِ جنگ میں مجھ سے زیادہ ثابت قدم ہوتا اور نہ لڑائی میں مجھ سے زیادہ پامرد ——— لیکن (میں نے صلح کی راہ اس لئے اختیار کی کہ) میرے پیشِ نظر تمہاری فلاح و بہبود تھی، اور میں تمہاری سلامتی چاہتا تھا)

ایک خارجی کی بدکلامی

اگر یہ کہا جائے تو قطعاً مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کہ:

امیرالمومنینؑ اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو اُن کے دورِ حکومت میں سب سے زیادہ ذہنی اذیت و تکلیف خوارج نے پہونچائی۔

تحکیم پر جنابِ امیرؑ کو اِن ہی لوگوں نے مجبور کیا، اور پھر اُس کے سلسلہ میں انتہائی بدزبانی بھی کی اور جنگِ نہروان ان ہی کی مجرمانہ کارروائیوں کی بناء پر واقع ہوئی۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے بے وفائی میں یہی لوگ پیش پیش رہے، اور پھر معاہدۂ صلح کے بعد بدزبانی میں بھی سب سے نمایاں نظر آئے چنانچہ جب ایک خارجی نے آپؑ سے ناشائستہ لہجہ میں بات کی تو آپؑ نے فرمایا:

وَیحكَ ایها الخارجی، لَا تعنفنی فإنّ الذی أحوجنی إلی مَا فعلت قتلکُم ابی، وطعنکم ایای، وانتهابکم متاعی، وانکُم لما سِرتم الی صِفّین کان دِینکم امامُ دنیاکم، وقد اَصبحتُم الیومَ وَ دنیاکم اَمامَ دینکمُ ویحکَ ایّها الخارجی!!! إنی رأیتُ اهل الکوفةِ قومًا لا یوثَقُ بهم وما اعتزّ بهم الا مَن ذلّ، ولیسَ أحد منهم یوافق رأیَ الآخرِ وَلقد لقیَ ابی منهُم امورًا صعبةً، وشدائدَ مرةً، وهیَ اسرعُ البلادِ خرَابًا، و أهلهَا هم الذّین فرّقوا دینهمُ وکانوا شِیَعاً

(خبردار — بدکلامی نہ کرو، کیونکہ مجھے اس معاہدہ پر تم لوگوں نے ہی مجبور کیا ہے۔ تم لوگوں نے میرے پدرِ بزرگوار کو قتل کیا، پھر مجھے زخمی کیا، میرا مال و اسباب لوٹ لے گئے (اور میرے ساتھ بدترین غداری کی)۔

اور مجھے جنگِ صفّین کا حوالہ دو کیونکہ) جنگِ صفّین کے لئے جاتے وقت دین و مذہب کی طرف توجہ (باقی) تھی (لیکن وہاں تمہاری نیّت میں فتور پیدا ہوگیا) اور اب دنیا تم پر مسلّط ہوچکی ہے۔

افسوس! — اے خارجی (تو صلحنامہ کے سلسلہ میں مجھ سے بدکلامی کر رہا ہے جبکہ صُلح کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا) میں نے اہلِ کوفہ کو ایک بے وفا قوم پایا۔ اُن سے آبرومندی کی امید کرنا بھی ذلّت ہے، اُن میں کوئی کسی کی رائے ماننے پر تیار نہیں ہے۔

میرے والدِ ماجد کو اُن لوگوں کی طرف سے بہت تکلیف پہنچی اور انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سرزمین عنقریب تباہی کا شکار ہوگی کیونکہ یہاں کے باشندے پراگندگی کا شکار ہیں، اور ٹکڑیوں میں بٹ کر رہ گئے ہیں)

ہوں اور جس طرح) معاویہ کے دربار میں تم نے (ہمارے حق کی حمایت کرتے ہوئے) گفتگو کی ہے وہ سن چکا ہوں لیکن (•) ذرا یہ بھی تو غور کرو کہ تمہارے جیسے مخلص و باوفا کتنے لوگ ہیں) نہ تو ہر شخص تمہارے جیسی محبت رکھتا ہے نہ تمہاری رائے کی موافقت کرنے والا ہے۔

(جب میں نے دوستوں کی بے وفائی اور ساتھیوں کی نافرمانی دیکھی تو مجبوراً صلحنامہ پر دستخط کئے) اس میں بھی تمہاری سلامتی ہی پیش نظر تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی حالات کو بدلنے پر قادر ہے) کل یوم ہو فی شان

❁

اسی طرح کچھ اور لوگوں نے شکوک و شبہات کا اظہار کیا، تو آپؑ نے فرمایا:

إِنِّي خشيت أَن يجتثَّ المسلمُونَ عَن وجهِ الارضِ

فاردت ان يكونَ للدين ناع۔

(میں نے صلح کو ایسی حالت میں کیا ہے جب حالات اتنے بگڑ بگڑ چکے تھے کہ) مجھے اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ (اگر اس وقت خونریزی ہوئی تو) دنیا سے اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔۔۔۔

❁

ایک اور گروہ نے آپؑ سے شکوہ کیا کہ چونکہ دشمن نے جن شرائط کو پورا کرنے کا وعدہ کیا تھا، انھیں پورا نہیں کر رہا ہے، اس لئے آپ بھی معاہدہ کو کالعدم قرار دے دیں۔ تو آپؑ نے فرمایا:

انتم شيعتنا وأهل مودتنا فلو كنت بالحزم في

امر الدنيا أعمل ولسلطانها أركض و انصبُ

مَاكَانَ معَاوية بابأس مني بأساً ولا أشد

شكيمة ولا أمضى عزيمة، ولكني أرى ما رأيتم،

ومَا أردت بما فعلت إلا حقن الدماء فارضوا

بقضاءِ اللهِ، وسلموا الأمرهِ، والزموا بيوتكم وامسكوا.

(تم لوگ ہمارے چاہنے والے اور مخلص دوست دار ہو (تمہیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ) اگر دنیاداری میرے پیش نظر ہوتی اور حکومت کیلئے میں کوشاں ہوتا تو اپنے مخالف کی تدبیروں کی کاٹ کرنا مجھے اچھی طرح معلوم تھا۔ لیکن میری رائے تمہاری رائے سے یکسر مختلف ہے، میں نے مصالحت صرف تمہاری بقاء و سلامتی کی خاطر کی ہے، لہٰذا خدا کے اس فیصلہ پر راضی رہو، اپنے معاملات کو اسی کے سپرد کر دو اور (سردست) اپنے گھروں میں گوشہ نشینی کی زندگی گزارو۔

صلح میں تمہاری بہتری ہے

جب کچھ لوگوں نے معاہدۂ صلح کے بارے میں برملا اپنی ناراضگی کا اظہار کرنا شروع کیا، تو امام علیہ السلام نے ایک خطبہ دیا جس میں حمد و ثنائے پروردگار کے بعد فرمایا:

ویحکم ما تدرون ما عملت؛ واللہِ الذی عملت خیر لشیعتی مما طلعت علیہ الشمس او غربت، الا تعلمون: أنی امامکم، ومفترض الطاعۃ علیکم واحد سیدی شباب اہل الجنۃ، بنص من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیّ؟ قالوا: بلی۔ قال: أما علمتم أن الخضر لما خرق السفینۃ واقام الجدار، وقتل الغلام، کان ذالک سخطا لموسیٰ بن عمران إذ خفی علیہ وجہ الحکمۃ فی ذالک عند اللہ تعالیٰ ذکرہ حکمۃ وصوابا۔"

أما علمتم أنہ ما منا احد إلا ویقع فی عنقہ بیعۃ لطاغیۃ زمانہ إلا القائم الذی یصلی خلفہ روح اللہ عیسیٰ بن مریم؟ فان اللہ عزوجل یخفی ولادتہ ویغیب شخصہ، لئلا یکون لاحد فی عنقہ بیعۃ، اذا خرج ذاک التاسع من ولد أخی:

الحسین بن سیدۃ النساء یطیل اللہ عمرہ فی غیبتہ، ثم یظہرہ بقدرتہ، فی صورۃ شاب دون الاربعین سنۃ، ذلک لیعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر۔

افسوس! — تم لوگ حقیقتِ حال سے بے خبر ہو، بخدا میں نے جو اقدام کیا ہے اس میں دنیا بھر کے اہلِ ایمان کی بہتری کا راز پوشیدہ ہے۔ کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ میں تمہارا امامؑ ہوں تم سب پر میری اطاعت فرض ہے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق میں جوانانِ جنت کا سردار ہوں؟ — سب نے کہا: بے شک ایسا ہی ہے۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ (جب حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ روانہ ہوئے تھے اور راستہ میں) جناب خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ لڑکے کو قتل کر دیا — اور گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا (جس کا تفصیلی ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) تو جناب موسیٰؑ نے ظاہری حالات کے مطابق جناب خضرؑ کے ان اقدامات پر اعتراض کیا تھا، کیونکہ ان کاموں کی حکمت پوشیدہ تھی، لیکن خداوندِ عالم ان اقدامات میں چھپی ہوئی مصلحتوں سے اچھی طرح باخبر تھا (خدا کے نبی جناب موسیٰؑ نے ظاہری حالات کے مطابق اعتراض کیا، اور خداوندِ عالم نے دوررس نتائج کی بناء پر ان اقدامات کو درست اور صحیح قرار دیا — اسی طرح میرے اقدامِ صلح پر ظاہر بیں نگاہیں معترض ہیں لیکن خدا بہتر جانتا ہے کہ اس میں پوری امت کی بہتری کا راز پوشیدہ ہے)

اور تم لوگوں پر یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ ہم (اہلبیت پیغمبرؐ) میں سے

ہر ایک کو اپنے اپنے زمانے کے سرکش حکمرانوں کے دور میں مجبوری کی زندگی گذارنی ہے سوا قائم آلِ محمدؑ کے' جن کے ظہور کے موقع پر حضرت عیسیٰؑ اُن کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔ اُن کی ولادت کو بھی خداوند عالم مخفی رکھے گا۔ اور ولادت کے بعد ان کی زندگی بھی پردۂ غیب میں گذرے گی۔ تاکہ وہ ظالم و جابر حکمرانوں کے تسلّط سے آزاد رہیں' وہ میرے بھائی حسینؑ کی نسل میں نویں امام ہوں گے' خداوند عالم انھیں طولانی زندگی عطا فرمائے گا' پھر اپنی قدرت سے ان کو دنیا میں اس طرح ظاہر کرے گا کہ وہ دیکھنے میں چالیس سال سے کم کے جوان نظر آ رہے ہوں گے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ خداوند عالم ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

۶

(ایک اور شخص نے صلحنامہ پر تنقید شروع کی تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تُؤَنِّبْنِي رَحِمَكَ اللهُ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
وَسَلَّمَ أُرِيَ بَنِي أُمَيَّةَ عَلَى مِنْبَرِهِ فَسَاءَ ذٰلِكَ، فَنَزَلَتْ،
"إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ" يَا مُحَمَّدُ - يَعْنِي نَهْراً فِي
الْجَنَّةِ - وَنَزَلَتْ "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا
أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ
يَمْلِكُهَا بَعْدَكَ بَنُو أُمَيَّةَ يَا مُحَمَّدُ.

رحمت پروردگار تم لوگوں کے شامل حال رہے' اپنی زبان کو قابو میں رکھو' اور) نا مناسب الفاظ استعمال کرو۔
کیونکہ آج جو کچھ نظر آ رہا ہے اس کی پیشین گوئی حضرت رسولِ خداؐ

خود ہی فرما چکے ہیں چنانچہ) آپؐ نے خواب میں یہ منظر دیکھا تھا کہ — بنی اُمیّہ آپ کے منبر پر ... نظر آ رہے ہیں ... یہ منظر ایسا قبیح تھا کہ آپ کو بہت رنج پہونچا' چنانچہ سورہ انا اعطینا الکوثر"..... کے ساتھ سورۂ انّا انزلناہ فی لیلۃ القدر بھی نازل ہوئی اور پیغمبرؐ کو خبر دی گئی کہ ہم نے جو آپ کو شبِ قدر عطا کی ہے وہ ایک شب ان ہزار مہینوں سے افضل ہے جن میں بنی اُمیّہ کی حکومت قائم رہے گی۔

میں صرف قومی مفاد کی خاطر دستبردار ہوا ہوں!

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے معاہدۂ صلح سے قبل دشمن سے بہت سی شرطیں منوائیں اور متعدد امور کی پابندی کا حتمی وعدہ لیا۔ خاص طور سے یہ وعدہ کہ:... وہ کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ پر عمل کریگا۔ پھر صلحنامہ قبول فرما کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أيها الناس! إنكم لو طلبتم ما بين جابلقا وجابلسا رجلاً جده رسول الله، ما وجدتموه غيري وغير أخي الحسين، وقد علمتم: أن الله تعالى هداكم بجدي رسول الله صلى الله عليه وآله، فأنقذكم به من الضلالة، ورفعكم به من الجهالة وأعزكم به بعد الذلة، وكثركم به بعد القلة، وإن معاوية نازعني حقاً هو لي، فتركته لصلاح الأمة، وحقن دمائها، وقد بايعتموني على أن تسالموا من سالمت، وقد رأيت أن أسالمه وأن يكون ما صنعت حجة على من كان يتمنى هذا الأمر وإن أدري لعله فتنة لكم ومتاع إلى حين

اے لوگو! اگر تم مشرق سے مغرب تک کوئی ایسی ہستی تلاش کرو جو

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہو تو میرے بھائی حسینؑ اور میرے علاوہ تمہیں کوئی (تیسرا شخص) نہیں مل سکتا۔

اور تم لوگ یہ بات بھی یقینی طور پر جانتے ہو کہ خداوندِ عالم نے ہمارے نانا حضرت رسولِ خدا کے ذریعے تمہیں ہدایت عطا کی، گمراہیوں سے تمہیں نجات دی، جہالت سے نکال کر اعلیٰ مراتب تک پہونچایا، تمہاری ذلت کا خاتمہ کر کے عزت و آبرو سے نوازا، اور تمہاری چھوٹی سی (کمزور) جماعت کو (طاقتور) لشکرِ جرار میں تبدیل کر دیا۔

(اُن ہی رسولِ مقبولؐ کا یہ نواسہ تم سے مخاطب ہے) اس وقت معاویہ مجھ سے میرا حق چھیننا چاہ رہا ہے، اور میں صرف تم لوگوں کو خونریزی سے بچانے کے لئے اور اُمتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کی خاطر اپنے حق سے دست بردار ہو رہا ہوں۔

(تم لوگوں کو اپنا وہ عہد و پیمان یاد ہوگا جو تم نے بیعت کے وقت مجھ سے کیا تھا کہ) جس سے میں صلح کروں، اس سے تم بھی صلح کر دوگے۔ تو اب جبکہ (حالات کے تحت) میں نے صلحنامہ کو قبول کر لیا ہے، تو تمہیں بھی اس کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔

میرا یہ اقدام اس لئے بھی ہے کہ اتمامِ حجت ہو جائے۔ اور تم لوگوں کے لئے یہ ایک آزمائش اور مقررہ وقت کی مہلت ہے۔

قوم وملت کا امتحان

الامامة والسیاسة جلد ۱ صلا پر ابن قتیبہ کی روایت ہے کہ جس وقت صلحنامہ پر دستخط ہوئے اس وقت سلیمان بن صرد خزاعی مدائن میں تھے، مصالحت کی خبر سن کر مدینہ منورہ پہنچے، امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر تند و تیز لہجے میں اس معاہدہ پر تنقید کی اور عرض کیا کہ: چونکہ طرف ثانی نے معاہدہ کی خلاف ورزی شروع کردی ہے، اس لئے آپ پر بھی اب اس کی پابندی ضروری نہ رہی۔ لہٰذا ہمیں حکم دیجئے کہ ہم بھی علی الاعلان اس کی مخالفت کریں اور والئے عامہ کو امیر شام کے خلاف ہموار کریں ــــ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا:

أَمَّا بعد، فانکُمْ شیعتنَا و أهلُ مودتنَا، ومَنْ نعرفُه بالنصیحَةِ والصحبةِ والاستقامةِ لنا، وقد فهمت ما ذکرتم ولو کنت بالحزمِ فی أمرِ الدنیا وللدنیا أعمل وانصب، مَاکانَ معاویة باباس منّي بأسا واشد شکیمةً وَلکانَ رأیي غیرَ ما رأیتم، ولکنی اشهد اللهَ وَایاکم أني لم أُرد بما رأیتم، الاحقنَ دمائکم و اصلاحَ ذاتِ بینکم، فاتقوا اللهَ، وارضوا بقضاءِ اللهِ وسلّموا الأمرَ للهِ والزموا بیوتکم، وکفّوا أیدیکُمْ، حتی یستریحَ برّ، اَو یستراحَ من فاجرٍ مع أنَّ ابي کانَ یحدثني: أن معاویةَ سیلی الأمرَ فواللهِ لو سرنا الیه بالجبالِ والشجرِ ما شککتُ انَّه سیظهرُ، إنَّ اللهَ لامعقبَ لحکمِه ولا رادَّ لقضائِه واما قولکَ: یامُذِلَّ المؤمنینَ فواللهِ لأن تذلّوا و تعافوا، احبُ الیَّ من أن تعزّوا وتقتلوا فإن

ردّ اللهُ علینا حقّنا فی عافیةٍ قبلنا وسألنا اللهَ العونَ علی أمرِهِ، وإن صرفَه عنّا رضینا، وسألنا اللهَ أن یبارکَ فِی صرفِهِ عنّا فلیکنْ کلّ رجلٍ منکُم حلسا من أحلاسِ بیتِهِ، مَادامَ معاویةَ حیا، فانَ یهلك ونحن وانتم احیاء سألنا اللهَ العزیمةَ علی رشدِنا والمعونةَ علی أمرِنا، وان لا یکلنَا الی انفسِنا "فانَّ اللهَ مع الذینَ اتقوا والذینَ هُم محسنون"

(اے سلیمان) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم ہمارے چاہنے والے ہو، ہم سے محبت کرتے ہو۔ میں تمہارے خلوص، وفاداری اور صبر و استقامت سے باخبر ہوں، اور جو کچھ تم نے اس وقت اپنی تقریر میں کہا اس کو بھی سمجھتا ہوں ــــ (لیکن اس بات کو یاد رکھو کہ) اگر دنیاداری میرے پیش نظر ہوتی یا حصول دنیا کو اپنا مقصد اور نصب العین بناتا اور اگر خدانخواستہ میرا یہ مشن ہوتا کہ چاہے کچھ ہوجائے دنیاوی جاہ و حشم ضرور مجھے حاصل رہے) تو اس کی تدبیر میں میرا مخالف مجھ سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا، نہ میری فکر و دانش کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اور پھر صورتحال وہ نہ ہوتی جو اس وقت تمہیں نظر آرہی ہے۔

لیکن خدا شاہد ہے، اور تم لوگوں کو بھی اس امر میں گواہ بناتا ہوں کہ جو صورتحال اس وقت تمہیں نظر آرہی ہے (کہ میں حکومت سے دستبردار ہوکر گوشہ نشین ہوگیا ہوں) یہ صرف تمہاری سلامتی کی خاطر اور تمہارے باہمی امور کی اصلاح کے لئے ہے۔

لہٰذا تم لوگ اللہ کی راہ میں تقویٰ اختیار کرو، اس کے فیصلوں پر

راضی رہو، اپنے معاملات اُسی کے سپرد کر دو، (سر دست اپنے اپنے گھروں میں رہو، اور گوشہ نشینی اختیار کئے رہو۔ یہاں تک کہ نیک لوگ اپنی تھکن اتار کر تازہ دم ہو) لیں یا یہ کہ بُرے حاکموں سے چھٹکارہ نصیب ہو جائے۔

اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی (ذہن نشین کر لو) کہ میرے والد بزرگوار امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ :

"معاویہ کی حکومت قائم ہو جائے گی۔"

(اے سلیمان! ۔ یاد رکھو کہ میرے پدر بزرگوار نے جو کچھ فرمایا تھا، وہ ضرور پورا ہونے والا تھا اس لئے) اگر ہم دُنیا کے چپے چپے میں اس سے برسرِ پیکار ہوتے تب بھی اس کی حکومت قائم ہو کر رہتی، کیونکہ خدا کا فیصلہ حتمی ہے اور قضا و قدر کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

(اے سلیمان)

تم لوگوں کا موجودہ حالت میں ۔ جسے تم غیر آبرومندانہ کہہ رہے ہو ۔ زندہ سلامت باقی رہنا ہی میرے نزدیک پسندیدہ ہے (کیونکہ اس کی مصلحتوں کو میں تم سے بہتر سمجھ رہا ہوں) اور تم سب لوگوں کا قتل کر دیا جانا ۔ جسے تم آبرومندانہ سمجھ رہے ہو ۔ مجھے گوارہ نہیں (کیونکہ جان کی بازی لگانا اُس وقت صحیح ہے جب کسی واضح نتیجہ کی امید ہو)

(ہم بہر حال اللہ کے فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہیں) اگر امن و عافیت کے ساتھ خدا کی طرف سے ہمیں ہمارا حق مل گیا تو ہم اُسے قبول کریں گے اور خدا سے دُعا کریں گے کہ اس میں ہماری مدد کرے۔ لیکن اگر اُس نے کسی اور کے حق میں فیصلہ کر دیا تو بھی ہم اُس کے حکم

پر راضی رہیں گے اور اس سے برکت (و رحمت) کی دعا کرتے رہیں گے۔

اب (جبکہ ہم نے صلحنامہ پر دستخط کر دیئے ہیں) تم سب لوگوں پر فرض ہے کہ جب تک معاویہ زندہ ہے گوشہ نشینی اختیار کئے رہو (کیونکہ یہ معاہدہ اُس کی زندگی تک ہی محدود ہے) اگر اس کے دنیا سے جانے تک ہم اور تم زندہ رہے اور معاہدہ کے مطابق ہمیں حکومت واپس مل گئی) تو خدا سے دعا کریں گے کہ وہ عزیمت عطا کرے، اس معاملہ میں ہماری معاونت فرمائے اور اپنی مدد سے ہمیں محروم نہ کرے، بیشک خدا اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کریں اور حُسنِ سلوک کو اپنائیں۔

لوگوں پر امامؑ کی اطاعت ہر صورت میں فرض ہے

جب ساتھیوں کی بے وفائی کی وجہ سے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے مجبوراً صلح کا معاہدہ کیا، تو بہت سے لوگوں نے آپ کے اس فیصلہ پر تنقید کی، جن میں ابوسعید العقیصا بھی شامل تھے جنہوں نے امام علیہ السلام سے کہا کہ جب آپ "حق" پر ہیں، تو آپ نے یہ معاہدہ کیوں کیا۔ ؟

جب انہوں نے اس قسم کے اعتراضات کئے اور امامؑ کے سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

یا أباسعید ! ألست حجۃَ اللہِ تعالیٰ ذکرہ علی خلقِہ وإماما علیہم بعد أبي ؟ قالَ : بلی۔ قال : ألست الذي قالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہِ وآلہ وسلم لي ولأخي "الحسنُ والحسینُ إمامان إن قاما وإن قعدا" ؟ قالَ بلی ! قالَ : فأنا إذنْ إمام لو قمت وأنا إمام اذا قعدت۔ یا أباسعید عِلۃُ مصالحتي لمعاویۃَ علۃ مصالحۃِ رسولِ اللہِ لبني ضمرۃ، وبني أشجع، ولأھلِ مکۃَ، حینَ انصرفَ من الحدیبیۃ اولئکَ کفار بالتنزیلِ ومعاویۃ واصحابہ کفار بالتاویل یا أباسعید ! إذا کنت إماماً من قِبلِ اللہ تعالیٰ ذکرہ

لم یجب أن یسفہ رأیي فیما أتیتہ من مھادنۃٍ أو محاربۃٍ وَان کان وجہ الحکمۃِ فیما أتیتہ ملتبسا، ألا تری الخضر لمّا خرقَ السفینۃَ، وقتلَ الغلام واقام الجدار سخِطَ موسی فعلہ لاشتباہِ وجہ الحکمۃِ علیہ، حتی أخبرہ فرضِيَ، ھکذا أنا سخطتم عليّ بجھلکم بوجہِ الحکمۃِ فیہ، ولولا ما أتیت لما ترکَ من شیعتنا علی وجہِ الأرض احد إلا قتلَ۔

اے ابوسعید ! کیا میں حجتِ خدا نہیں ہوں۔ ؟ کیا اپنے پدرِ بزرگوارؑ کے بعد میں لوگوں کا امام نہیں ہوں ؟

انہوں نے جواب دیا کہ : بیشک ایسا ہی ہے۔

آپؑ نے فرمایا کہ : کیا میرے بھائی حسینؑ، اور میرے بارے میں پیغمبرِ اسلامؐ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ حسنؑ و حسینؑ دونوں امام ہیں، چاہے اقدام کریں یا گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائیں۔ ؟

انہوں نے کہا : بے شک ایسا ہی ہے۔

پھر امامؑ نے فرمایا کہ :- یاد رکھو اگر میں کھڑا رہوں تو بھی امام ہوں اور بیٹھ جاؤں تو بھی امام ہی ہوں (یعنی اقدام کروں یا گوشہ نشینی اختیار کروں، دونوں صورتوں میں امام ہوں اور اُمت پر میری اطاعت فرض ہے)

اے ابوسعید ! جس طرح حدیبیہ کے مقام پر حضرت رسولِ خداؐ نے بنی ضمرۃ، بنی اشجع اور اہلِ مکہ سے صلح کرلی تھی اور (مدینہ) واپس آگئے تھے اسی طرح میں نے امیرِ شام سے مصالحت کرلی (اور مدینہ واپس آگیا)

پیغمبرؐ نے جن لوگوں سے صلح کی وہ نزولِ قرآن کے منکر تھے اور میں نے جس سے صلح کی وہ تاویل کے منکر ہیں۔

اور جب خداوندِ عالم نے مجھے امامؑ بنایا ہے تو چاہے میں جنگ کو اختیار کروں یا صلح کو، اور اگرچہ لوگوں کو اس اقدام کی مصلحت معلوم نہ ہو لیکن انہیں اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب جنابِ خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کیا لڑکے کو قتل کیا، اور دیوار کو سیدھا کیا تو چونکہ ان کاموں کی مصلحت نمایاں نہیں تھی اس لئے حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کر دیا۔ لیکن جب (بحکمِ خدا) جنابِ خضرؑ نے انھیں حقیقتِ حال سے باخبر کیا تو وہ مطمئن ہو گئے۔ اسی طرح میرے اقدامِ صلح پر تم لوگ صرف اس بناء پر معترض ہو کہ تمہیں اس کی مصلحت معلوم نہیں ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں صلح نہ کرتا تو (ایسی شدید خونریزی ہوتی کہ) پورے کرۂ ارض پر ایک بھی صاحبِ ایمان زندہ نہ بچتا۔

حضورِ اکرمؐ کی پیشین گوئی

سفیانؓ بن ابی لیلی نے جب معاہدۂ صلح پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تو امامؑ نے فرمایا:

یاسفیان: إنا أهل بیت إذ علمنا الحق تمسکنا به وإنی سمعت علیا یقول: سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقول: "لا تذهب الایام واللیالی حتی یجتمع أمر هذه الأمة، علی رجلٍ واسع السرم، ضخم البلعوم، یأکل ولا یشبع، لا ینظر الله الیه، ولا یموت، حتی لا یکون له فی السماء عاذر ولا فی الارض ناصر" وإنه لمعاویة، وإنی عرفت أن الله بالغ أمره

اے سفیان (بیجا جوش و خروش مت دکھاؤ) ہم اہلبیتِ پیغمبرؐ، صرف حق کا اتباع کرتے ہیں (اگر حق کا مطالبہ ہو کہ جنگ کی جائے تو جنگ کرتے ہیں، اور اگر حق کا مطالبہ ہو کہ صلح کی جائے تو ہم صلح کی راہ اختیار کرتے ہیں)

مجھے میرے پدرِ بزرگوار نے بتایا تھا کہ:

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ:

"زیادہ دن نہیں گذریں گے کہ اس حکومت پر قوم کا ایک "گردن کمانت" مسلط ہو جائے گا، جو (مسلسل) کھائے گا مگر اس کا پیٹ

نہیں بھرے گا، وہ رحمتِ خدا سے محروم رہے گا، اور جب دنیا سے رخصت ہوگا تو زمین و آسمان میں کوئی اُس کا خیرخواہ نہ ہوگا۔"

یقیناً یہ وہی شخص ہے، جس سے میں نے صُلح کی ہے، کیونکہ قضاد قدرِ الٰہی کو کوئی نہیں روک سکتا۔

اعلائے کلمۃ الحق

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اگرچہ حالات کے تحت تختِ حکومت سے دست برداری اختیار کی، اور ساتھیوں کی بے وفائی کی وجہ سے مجبوراً آپ نے اقتدار و اختیار امیرِ شام کے سُپرد کر دیا۔

اس کے باوجود آپ نے بنی امیہ کے ظلم و جور کا ہر موقع پر تذکرہ فرمایا۔

چنانچہ جب جنگ بندی کے معاہدے کے بعد، امیرِ شام کوفہ آیا، اور اس نے خواہش ظاہر کی کہ امامؑ اُس کی موجودگی میں خطبہ دیں، تو امامؑ نے اس وقت بھی اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

الحَمدُ لِلّٰہِ الذِی توحَّدَ فِي مُلکِہٖ، وتفرّدَ فِي ربوبیّتِہٖ، یؤتِي المُلکَ مَن یشاءُ وینزعہ عمَّن یشاءُ، والحمدُ لِلّٰہِ الذی أکرَمَ بنا مؤمنکم، وَاخرجَ من الشرکِ اوّلکم،

وحقَنَ دِمَاءَ آخرِکُم، فبلاؤنا عندکُم قدیمًا وحدیثًا احسن البلاء، ان شکرتم او کفرتم، ایھا النّاس: إنّ ربَّ علیٍّ کانَ أعلَمَ بعلیٍّ حینَ قبضَہُ إلیہ، ولقد اختصّہ بفضلٍ لم تعہدوا بمثلِہٖ، ولم تجدوا مثلَ سابقتِہٖ، فھیھات ھیھاتِ، طالَ مَا قلبتم لہ الامورَ حتی أعلاہُ اللّٰہُ علیکُم، وھو صاحبکُم، وعدوّکم فِي بدرٍ و أخواتِھا، جرّعکم رنقًا وسقاکُم علقًا، و أذلَّ رقابکم، واشرقکم بریقِکم، فلستم بملومین علی بغضِہ۔

وایم اللّٰہ لاتری امۃ محمدٍ خصبًا ماکانت سادتُھُم وقادتُھُم فِي بنی اُمیّۃَ، ولقد وجّہ اللّٰہ الیکُم فتنۃً لن تصدّوا عنھا حتی تھلکوا، لطاعتکُم طواغیتَکم، وانضوائکم الی شیاطینکُم، فعندَ اللّٰہ احتسب ما مضی وما ینتظر من سوءِ رغبتکم، وحیفِ حکمِکم، یا أھلَ الکوفۃِ لقد فارقکم بالأمسِ سھمٌ من مرامي اللّٰہ، صائبٌ علی اعداءِ اللّٰہ، نکال علی فجارِ قریشٍ، لم یزل آخذًا بحناجرِھا، جاثمًا علی انفاسِھا، لیسَ بالملومۃِ في أمرِ اللّٰہ، ولا بالسروقۃ لمالِ اللّٰہ، ولا بالفروقۃ في حربِ أعداءِ اللّٰہ، أعطی الکتاب خواتمہ وعزائمہ، دعاہ فاجابہ، وقادہ فاتّبعہ، لا تاخذہ فِي اللّٰہِ لومۃُ لائمٍ، فصلوات اللّٰہ علیہ ورحمتہ۔

تمام تعریفیں۔

اُس خدا کے لئے ہیں جو اپنی سلطنت میں بلا شریک، اور خدائی میں یکتا ہے۔ وہ جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔

اور ہر قسم کی حمد و ثنا خداوندِ عالم ہی کے لئے۔ اُسی نے ہم لوگوں کے ذریعے سے مومنین کو عزت دی (انھیں ایمان کی روشنی دکھائی) ہم لوگوں کو ابتداءً شرک کی آلودگیوں سے پاک کیا اور اس وقت (خونریزی سے بچا کر) تمہاری جان کی حفاظت کی۔

تو ہمارا سلوک تو تمہارے ساتھ ہر دور میں نہایت اعلیٰ (اور بے مثال) رہا ہے، اب چاہے تم اس کے شکر گزار رہو یا انکار کر دو۔

اے بندگانِ خدا۔!

جس وقت پروردگار عالم نے حضرت علیؑ کو واپس اپنی بارگاہ میں بلا یا اُس وقت بھی اُن کی خوبیوں سے وہی سب سے زیادہ باخبر تھا، اور اُسی نے انکو ایسے فضائل و کمالات عطا فرمائے تھے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوئے اور اُن کے جیسی خدمات کسی اور کی نظر آتی ہیں۔

لیکن افسوس تم لوگوں نے مسلسل ان کے خلاف ریشہ دوانیاں کیں، مگر خداوندِ عالم نے انھیں سرافرازی عطا کی۔ اور جنگِ بدر اور دوسری جنگوں میں انہوں نے تمہارے (بزرگوں) کو (ان کی اسلام دشمنی کا) اچھی طرح مزہ چکھایا۔ انھیں عبرت ناک سزا دی اور بدترین ذلت و خواری سے دوچار کیا۔ اور اب جو تم لوگ اُن سے عداوت کرتے ہو وہ اسی آتشِ انتقام کے سبب جو تمہارے قلوب میں بھڑک رہی ہے۔

قسم بخدا۔ جب تک بنی امیہ امت کی گردنوں پر مسلط رہیں گے۔ اُس وقت تک اس قوم کو فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔

اور (اے اہلِ کوفہ) چونکہ تم لوگوں نے (اپنی سرکشی کی بنا پر) شیطان کی اطاعت کی ہے اور ظالم و سرکش انسانوں کے نقشِ قدم پر چلنے لگے ہو، اس لئے خداوندِ عالم نے تمہیں ایک بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے، جس سے مدت العمر چھٹکارہ نہ پاؤ گے۔

میرے ساتھ جو کچھ تم لوگوں نے کیا، جن غلط آرزوؤں میں تم مبتلا ہوئے اور جس طرح میرے ساتھ ناانصافی کی، اُن سب کے لئے میں نے ماضی میں بھی اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے، اور آئندہ بھی اُسی سے میری اُمیدیں وابستہ ہیں۔

اے اہلِ کوفہ۔!

(امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام) جو کچھ دنوں قبل تمہارے درمیان سے رخصت ہو گئے (اُن کی تم نے صحیح معنوں میں قدر نہ کی) وہ اللہ کی ایسی شمشیر تھے جو دشمنانِ خدا کا صفایا کرنے والی، قریش کے بدسرشت انسانوں پر قہرِ الٰہی بن کر گرنے والی، اُن کی گردنوں کو اڑانے والی اور انھیں بیخ و بن سے اُڑانے والی تھی۔

(انہوں نے ایسی پاک و پاکیزہ زندگی گذاری ہے کہ) دین کے مسئلہ میں کوئی ان پر الزام عائد نہیں کر سکتا، مالِ خدا کے دستبرد کا اُن کی زندگی میں کوئی اندیشہ نہ تھا، اور نہ وہ دشمنانِ خدا سے پیکار میں کبھی الگ تھلگ رہے (بلکہ ساری زندگی جہادِ مسلسل کی عملی تصویر بنے رہے۔

کتابِ الٰہی اُن کے لئے سرچشمۂ حیات تھی، اُس نے جب پکارا

تو انہوں نے لبیک کہی، اور جس چیز کی طرف سے کہو علیؑ اُدھر چل پڑے (جیساکہ پیغمبرِ اسلام نے فرمایا ہے کہ: علیٌ مع القرآن والقرآن مع علیٍ (علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں قرآن علیؑ کے ساتھ ہے)

اُنہوں نے خدا کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی کبھی پرواہ نہیں کی (اور وہی کیا جس میں خدا کی رضا شامل تھی، چاہے کوئی راضی رہے یا ناراض انھیں اگر کوئی فکر تھی تو رضائے پروردگار کی، اور کوئی تمنا تھی تو خوشنودیٔ خدا کی۔

خدا کی رحمتیں اور اُس کا دُرود و سلام اُن کی ذات پر مسلسل نازل ہوتا رہے۔

عظمتِ اہلبیتؑ

علّامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی روایت ہے،

امالی شیخ طوسی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ معاہدہ کی قرارداد مکمل ہونیکے بعد امیرِ شام نے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ ایسے الفاظ استعمال کئے جو آپ کے مرتبے کے خلاف تھے، تو امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

تمام تعریفیں اُس خدائے دوجہاں کے لئے ہیں جو اپنی عطایا سے ہمیں نوازتا رہتا ہے، جس کی نعمتیں ہر آن ہم تک پہونچتی رہتی ہیں، اور جو اپنے بندوں سے انواع و اقسام کی بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کرتا رہتا ہے چاہے بندوں کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔

اُس کی ذات عزت و جلال کی مالک ہے، اُس کی بلندیوں تک لوگوں کے اوہام نہیں پہونچ سکتے، اور اُس کے اسرارِ سربستہ اور رموزِ غیب، بندوں کے خیالات سے بہت برتر و بالا ہیں، جب تک وہ نہ چاہے اُن رموز تک کسی بندے کی رسائی نہیں ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس کی ربوبیت، اس کے وجود اور اُس کی وحدانیت میں کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے وہ بے نیاز ہے، احد ہے، صمد ہے، نہ اُس کا کوئی شریک ہے نہ ہمدم و

دمساز ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں جنہیں اس نے منتخب کر کے مصطفےٰ بنایا اور پسند فرما کر (بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لئے زمین پر) بھیجا، انھیں حق کی طرف دعوت دینے والا رہنما، روشن چراغ، بندوں کو۔ ان کی مخالفانہ باتوں (کے انجام) سے ڈرانے والا اور (جنّت و فردوس کی جن نعمتوں کی) انھیں امید ہو سکتی ہے اُن کی خوش خبری سنانے والا بنا کر بھیجا۔ تو انھوں نے قوم کے ساتھ بہترین اخلاص برتا، واشگاف لفظوں میں اللہ کا پیغام سنایا اور انجام (آخرت میں) لوگوں کو جو درجات ملنے والے ہیں ان سے آگاہ کیا۔

(میری) یہ وہ گواہی ہے (جو دل کی گہرائیوں سے نکلی ہے جس پر میں ساری زندگی قائم رہوں گا) اسی پر میری موت آئے گی اسی کے مطابق میرا حشر و نشر ہوگا، اور اگلی زندگی میں اسی کے اعتبار سے مجھے اللہ کی قربت حاصل ہوگی اور اس کی نعمتوں سے مجھے نوازا جائے گا۔ (کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن کی تعلیم مجھے اس طرح دی گئی ہے کہ شیرِ مادر کی طرح یہ تعلیمات میری رگ و پے میں رچی بسی ہوئی ہیں)

اے بندگانِ خدا!

میری باتوں کو غور سے سنو اور (اللہ کی طرف سے) بات سننے اور سمجھنے کی جو صلاحیت ملی ہے اس کے مطابق اِن باتوں کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ رکھو۔

ہم اہلبیتِ رسولؐ کو پروردگارِ عالم نے دینِ اسلام کے ذریعے سے عزت و سربلندی عطا کی ہمیں اس نے منتخب کیا (بندگانِ خدا کی رہنمائی کے لئے)

ہمیں اختیار فرمایا اور (ہدایت و رہبری کے لئے) ہمیں چن لیا، پھر ہر رجس کو ہم سے دور کر کے ایسا طیّب و طاہر بنایا، جو طہارت و پاکیزگی کی آخری حد ہے۔

رجس بمعنی شک (بھی) ہے اور اللہ نے ہم سے رجس کو دور کر دیا ہے۔ لہٰذا ہم خدائے برحق اور اس کے دین میں ابد الآباد تک کبھی بھی شک نہیں کر سکتے (اور رجس کے معنی عیب و نقص کے بھی ہیں جسے ہم سے دور کیا گیا ہے اسلئے) ہر قسم کے نقص و عیب سے ہم پاک و منزہ ہیں۔ اور حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک ہم اللہ کے (اُن) خاص بندوں میں شامل ہیں (جن پر کوئی شیطانی حربہ کارگر نہیں ہو سکا)

خداوندِ عالم نے بنی نوع انسان کو جب بھی دو حصوں پر منقسم کیا تو ہمیں اُس حصہ میں رکھا جو سب سے بہتر تھا مثلاً اگر حضرت آدمؑ کے دو بیٹے تھے تو خداوندِ عالم نے ہمارا نور اُس بیٹے کے صلب میں رکھا جو فضل و کمال میں برتر تھا، اسی طرح اگر حضرت ابراہیمؑ کے دو فرزند تھے تو ان میں شرف و منزلت کے اعتبار سے جو افضل تھا اُس کے صلب میں ہمارا نور رکھا ...... اسی طرح اُس نے ہر دور میں سب سے افضل اور برتر انسانوں کو ہمارے نور کا امانت دار قرار دیا) یہاں تک کہ مدتیں گزرتی رہیں، زمانہ آگے بڑھتا رہا، اور وہ وقت آیا کہ خداوندِ عالم نے ہمارے جدِ بزرگوار حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو مبعوث برسالت کیا، انھیں اپنے پیغام کے لئے منتخب قرار دے کر اُن پر اپنی (آخری) کتاب (قرآن مجید) نازل کی، پھر اُن کو حکم دیا کہ بنی نوع انسان کو خدا کی طرف دعوت دیں ــــ تو اس موقع پر بھی حضرت رسولِ خداؐ کی آواز پر سب سے پہلے میرے والدِ ماجد حضرت علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام ہی نے

لبیک کہی ان کی بات پر یقین و ایمان کا اعلان کیا اور خدا و رسول کے کلام کی سب سے پہلے تصدیق فرمائی۔

چنانچہ خداوند عالم نے اُس وقت کی منظر کشی کرتے ہوئے جب رسولِ خدا لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دے رہے تھے اور علیؑ اُن کے قدم بقدم نصرتِ دین کر رہے تھے، قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ

(تو کیا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اور اُس کا گواہ اُس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہو۔ (سورہ ہود آیت ۱۷)

تو وہ میرے ہی والد تھے جو رسولؐ کے قدم بہ قدم چل رہے تھے۔ اور ان کی رسالت کی گواہی دے رہے تھے۔ اور انھیں حضرت رسولِ مقبولؐ سے اتنی قربت حاصل تھی کہ گویا دونوں ایک تھے کسی پہلو سے جدائی کا تصور ہی نہیں تھا، چنانچہ جب) حج کے موقع پر مکہ معظمہ جاکر سورۂ برائت کی تبلیغ کا وقت آیا تو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلا کر فرمایا۔

"اے علیؑ! یہ سورہ لے کر جاؤ، اور حج کے موقع پر تم ہی اس کی تبلیغ کرو) کیونکہ پروردگار عالم کا حکم ہے کہ اس سورہ کی تبلیغ یا تو میں خود کروں، یا وہ شخص کرے جو مجھ سے ہو اور اے علیؑ وہ شخص صرف تم ہی ہو"

تو اس فرمانِ رفیع الشان کی روشنی میں، علیؑ رسولؐ سے ہیں اور رسولؐ علیؑ سے ہیں (جو کمالِ یگانگت کی دلیل ہے) چنانچہ جب جناب حمزہؓ کی صاحبزادی کے ایک مسئلے میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ، جناب جعفر اور زید بن حارثہ کے درمیان فیصلہ فرمایا تو اس وقت آپؐ کے جملے یہ تھے کہ:

"اے علیؑ تم مجھ سے ہو، میں تم سے ہوں، اور میرے بعد تم ہی ہر مومن کے ولی (و سرپرست) ہو۔"

و

تو میرے والد ماجد حضرت علی بن ابی طالبؑ (وہ ذات والا صفات ہیں جنھوں) نے رسولؐ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہی، ان کی رسالت کی تصدیق کی، اور اپنی جان کو خطرات میں ڈال کر اُن کی ہر طرح حفاظت فرماتے رہے۔ اور رسولِ کریمؐ بھی ہر موقع پر انھیں آگے بڑھاتے رہے، اور ہر خطرے کے موقع پر ان ہی کو بھیجتے رہے، انھیں علیؑ پر سب سے زیادہ اعتماد بھی تھا اور اطمینان بھی کہ (جب علیؑ جائیں گے تو معرکے کو سر کرکے آئیں گے) کیونکہ حضرت رسولِ خدا کو بخوبی علم تھا کہ علیؑ کے دل میں خدا و رسولؐ کے لئے کس قدر خلوص و محبت کے سمندر موجزن ہیں۔

اور خدا و رسول کے یہاں سب سے زیادہ تقرب بھی آپ ہی کو حاصل تھا، چنانچہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

"وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ"

(اور آگے بڑھنے والے (تو) آگے بڑھنے والے ہیں، یہی لوگ مقرب (بارگاہ) ہیں) (سورہ واقعہ آیت ۱۰، ۱۱)

خدا و رسول کی طرف سبقت کرنے والوں میں حضرت علیؑ سب سے آگے ہیں اور جن لوگوں کو خدا و رسولؐ سے قربت حاصل ہے ان میں سب سے مقدم ہیں چنانچہ اس شرف و تقرب کا ذکر کرتے ہوئے) پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا ہے)

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً ...

تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے قبل (راہ خدا میں) خرچ کیا ہے اور (دشمنوں سے) جنگ کی ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں ہیں، بلکہ وہ زیادہ بڑے درجے والے ہیں...) (سورۂ الحدید آیت ۱۰)

میرے پدرِ بزرگوار اسلام و ایمان میں سب سے مقدم ہیں، خدا و رسول کی راہ میں خرچ کرنے میں سب سے اوّل ہیں، چنانچہ (بعد میں آنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(اور جو لوگ بعد میں آئے، وہ کہیں گے کہ: پالنے والے ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں بخش دے۔ اور ایمان والوں کے بارے میں ہمارے دلوں میں رنجش نہ قرار دینا۔ بیشک تو بہت شفیق و مہربان ہے)

تو دنیا کی تمام اقوام سے تعلق رکھنے والے اشخاص (قیامت تک) حضرت علیؑ کے لئے خداوندِ عالم سے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے۔ کیونکہ وہ ایمان کے لحاظ سے سب پر مقدم ہیں، اور انہوں نے نبی کریمؐ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہی تھی، چنانچہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔

(اور مہاجرین و انصار میں سے جو ایمان میں سبقت رکھنے والے (اور) مقدم ہیں، اور جو لوگ حسنِ سلوک کے ساتھ اُن کے پیروکار ہیں)۔

(سورۂ توبہ آیت ۱۰۰)

اور حضرت علیؑ تمام سبقت کرنے والوں میں بھی سب سے مقدم ہیں، تو جس طرح خداوندِ عالم نے سابقین کو اُن پر فضیلت دی ہے جو بعد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ہیں، اسی طرح خود سابقین کے درمیان وہ ذات سب سے افضل و اعلیٰ ہے جسے اِن سابقین پر بھی سبقت و تقدم حاصل ہے۔

اسی طرح (تاریخ میں یہ بات جو منقول ہے کہ) ایک جگہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے اپنی اپنی فضیلت گنوا رہے تھے کہ:

میں نے فلاں زمانہ میں حاجیوں کو پانی پلایا تھا۔

دوسرے نے کہا کہ:

میں نے فلاں وقت مسجد الحرام کی تعمیر میں حصّہ لیا تھا۔

تیسرے نے کسی اور کارنامے کا ذکر کیا۔۔

اسی طرح ہر شخص یہ کوشش کر رہا تھا کہ اُس کی نیکی سب سے برتر نظر آئے، تو خداوندِ عالم نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شان میں آیت نازل فرما کر آپؑ کو سب سے افضل قرار دیا۔

چنانچہ قرآن مجید میں آپؑ کی عظمت و جلالت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

(کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد الحرام کی خدمت کرنا اُسکے برابر قرار دیا ہے جو خدا اور روزِ قیامت پر ایمان لائے اور خدا کی راہ میں جہاد کرے)۔؟ (سورۂ توبہ آیت ۱۹)

میرے پدرِ بزرگوار حضرت علیؑ ابن ابی طالب ہی وہ مجاہد ہیں، جن کے بارے میں

اور یہ وہ فضیلت ہے جو اُس نے دیگر انسانوں کے مقابلہ میں ہمیں عطا فرمائی ہے۔

۵

اسی طرح خداوندِ عالم کا ہم پر یہ بھی احسان ہے کہ اُس نے ہمیں رسولِ مقبولؐ سے اتنا نزدیک قرار دیا، جتنا دُنیا کا کوئی اور انسان اُن سے قریب و نزدیک نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے جب اسلام کے تحفظ کا سوال ہو تو رسولِ کریمؐ ہمیں پیش کرتے تھے چنانچہ، جب عیسائیوں نے پیغمبرِ اسلامؐ سے بحث مباحثہ شروع کیا، اور بالآخر ضد اور ہٹ دھرمی کرنے لگے، تو خداوندِ عالم نے فرمایا:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ، ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ

(تو کہہ دیجئے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو بلائیں، پھر گڑگڑا کر دعا کریں، اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں)۔ (سورۂ آلِ عمران)

اس موقع پر حضرت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (میدانِ مباہلہ میں عیسائیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے) اپنے فرزندوں کی جگہ مجھے اور میرے بھائی حسینؑ کو لے گئے، نساءنا کی جگہ میری مادرِ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کو رکھا اور نفس کی جگہ میرے پدرِ بزرگوار امیرالمومنین حضرت علیؑ کے لئے قرار دی۔

اور تمام لوگوں کے درمیان ہم "۴" افراد کا انتخاب کر کے یہ واضح کر دیا کہ پوری دنیا میں پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ اُن کے لئے بمنزلۂ جان و دل اور نفس و روح ہو

خاندان ہے وہ صرف ہم ہیں، اور ہمارے ہی لئے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "میں اِن سے ہوں یہ مجھ سے ہیں۔"

اور خداوندِ عالم کا یہ فرمان (بھی ہم اہلبیتؑ ہی کے بارے میں نازل ہوا ہے کہ:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔

(بیشک اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہلبیتؑ تم سے ہر رجس کو دور رکھے، اور تمہیں ایسا پاک کرے جو پاکیزگی کا حق ہے) (الاحزاب)

چنانچہ اس آیت کے نزول کے موقع پر رسول خدا صلّی اللہ وآلہٖ وسلم نے مجھے، میرے بھائی حسینؑ، میری والدہ ماجدہ اور میرے پدرِ بزرگوار (چاروں اشخاص کو) حضرت اُمّ سلمہؓ کے گھر کے اندر ایک جگہ جمع کیا، اور پر ایک چادر ڈال لی، اور پھر دعا فرمائی:

"اے پالنے والے! یہی میرے اہلبیتؑ ہیں، یہی میری عترت ہیں، تُو اِن سے ہر رجس کو دُور رکھ اور اِن کو ایسا پاک و پاکیزہ قرار دے جو طہارت و پاکیزگی کی آخری حد ہے۔

جنابِ اُمّ سلمہ، جن کے گھر کے اندر بیٹھ کر پیغمبرِ اسلامؐ یہ دُعا فرما رہے تھے، انہوں نے دریافت فرمایا:

"اے اللہ کے رسولؐ میں بھی (چادر کے نیچے) ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاؤں۔؟"

تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اے اُمّ سلمہ) رحمتِ خدا تم پر سایہ فگن رہے، تم نیکی کے راستے پر

کامران ضرور ہو۔ اور میں تم سے راضی وخوشنود ہوں، لیکن (آیتِ تطہیر جو نازل ہوئی ہے) یہ میرے اور میری آلؑ کے ساتھ مخصوص ہے، جنہیں میں نے چادر کے نیچے جمع کیا تھا۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلامؐ جتنے دن زندہ رہے آپ کا یہ معمول رہا کہ روزانہ صبح سویرے ہمارے پاس تشریف لاتے اور فرماتے الصلواۃ یرحمکم اللہ۔ پھر آیتِ تطہیر کی تلاوت فرماتے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا.

اسی طرح ہماری خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ (مسجدِ نبیؐ کی طرف کھلنے والے تمام دروازوں کو حضرت رسولِ خداؐ نے بند کرا دیا تو ہمارے دروازے کو کھلا رکھا جس پر لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں اور رسول اکرمؐ پر تنقید کرنے لگے، تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"میں نے اپنی مرضی سے نہ سارے دروازوں کو بند کرایا نہ علیؑ کے دروازے کو کھلا رکھا، کیونکہ میں وحیِ خداوندی کا پابند ہوں، خداوندِ عالم نے ہی سارے دروازوں کو بند کرایا اور علیؑ کے دروازے کو کھلا رکھنے کا حکم دیا۔

اس اقدام کے بعد صرف رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے لئے (خداوندِ عالم کی طرف سے) اس بات کی اجازت تھی کہ ہر حالت میں مسجد کے اندر جا سکتے تھے کسی اور کو ایسی اجازت حاصل نہیں تھی ... جیسی میرے پدرِ بزرگوار حضرت علیؑ کو حاصل تھی۔

اور یہ سب کچھ خداوندِ عالم کا لطف وکرم تھا جو اہلبیت طاہرین کے ساتھ مخصوص تھا۔

میرے والد کے گھر کا دروازہ رسولِ مقبولؐ کے گھر کے دروازے سے بالکل نزدیک تھا اور ہمارا گھر درحقیقت رسولؐ ہی کا گھر تھا، کیونکہ خداوندِ عالم نے حضرت رسولِ مقبولؐ کو جب مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تو آنحضرتؐ نے مسجد سے متصل دس (چھوٹے چھوٹے) گھر بھی بنوائے جن میں ۹ گھر تو آپ کی ۹ بیویوں کے لئے اور دسواں گھر جو تقریباً درمیان میں تھا اُسے حضرت علیؑ کے لئے مخصوص قرار دیا، یہ گھر بیتِ خداوندی ۔ یعنی مسجد ۔ کے لئے گویا دالان کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ (بھی ایک) وجہ تھی جس کی بناء پر اس گھر کے رہنے والوں کو "اہل البیت" قرار دیا گیا، لہٰذا ہم ہی اہلبیت ہیں، اللہ نے رجس کو ہم سے دور رکھا ہے، اور ہمیں ہی ایسا طیب وطاہر قرار دیا ہے جو طہارت کا حق ہے۔

اے لوگو! (میں نے اپنے اس خطبہ میں صرف چند خصوصیات وعنایات خداوندی کا تذکرہ کیا ہے جس کے بارے میں تم خود اپنے نفس وضمیر سے سوال کرو کہ وہ پروردگارِ عالم کے نزدیک ہمارے کس عزت وافتخار اور قدر ومنزلت کی نشاندہی کرتی ہیں) جبکہ میں نے ابھی صرف چند باتوں کا ذکر کیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ (اگر میں برسہا برس (تمہارے سامنے) اسی جگہ کھڑا ہو خطبہ دیتا رہوں اور اُن فضائل وکمالات کا تذکرہ کرتا رہوں جو خداوندِ عالم نے ہمارے لئے مخصوص قرار دیئے ہیں اور جن کا تذکرہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) میں بھی موجود ہے اور رسولِ مقبولؐ کی احادیث میں بھی (اس قدر کثرت سے ہیں) کہ میں ان سب کو شمار نہیں کر سکوں گا۔

(یاد رکھو) — میں اُس (حبیبِ کبریا) کا فرزند ہوں جو بشیر و نذیر بھی تھے، سراجِ منیر بھی، اور جنھیں پروردگارِ عالم نے تمام جہانوں کے لئے رحمت قرار دیا ہے۔

میں حسن بن علیؑ ہوں جو مومنین کے ولی اور صفِ انبیاء میں سے حضرت ہارونؑ کے مثل و نظیر تھے۔ (میرے مقابلے پر) صخر کی اولاد معاویہ کا خیال ہے کہ میں خود کو حکومت کا حقدار نہیں سمجھتا، اور اُسے سمجھتا ہوں — قسم بخدا یہ غلط ہے۔

میں تمام لوگوں کی بہ نسبت سب سے زیادہ حق رکھتا ہوں جس کی گواہی قرآن مجید بھی دے گا اور حدیثِ پیغمبرؐ بھی۔

یہ اور بات ہے کہ ہم اہلبیتؑ کو رسولِ مقبولؐ کی وفات کے بعد زمانے کی چیرہ دستیوں کا سامنا کرنا پڑا، ہم پر ظلم کیا گیا، ہمارے حق کو پامال کیا گیا۔

میں خداوندِ عالم سے فریاد کرتا ہوں اُن لوگوں کے بارے میں جنھوں نے ہم پر ظلم کیا، ہم پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی، لوگوں کو ہمارے خلاف ورغلایا، فئ اور غنائم کے اندر ہمارا جو حصّہ قرآن مجید میں معین کیا گیا تھا اس سے ہمیں محروم کیا۔ (حتیٰ کہ) ہماری مادرِ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کو اپنے باپ کی میراث سے بھی محروم کر دیا۔

میں کسی کا نام نہیں لیتا — لیکن ربِ ذوالجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر لوگ خدا و رسولؐ کے فرمان کو پیشِ نظر رکھتے (پیغمبرؐ کے ارشادات پر عمل کرتے، اُن کی اولاد سے اُسی محبت و مودت کا سلوک کرتے جس کا رسولؐ حکم دے گئے تھے، اور اُس راستہ پر چلتے جو خدا و رسولؐ کا پسندیدہ راستہ ہے) تو زمین و آسمان سے اُن پر برکتیں نازل ہوتیں، اُمت کے درمیان کبھی دو تلواریں

کبھی آپس میں نہ ٹکراتیں، اور روزِ قیامت تک لوگ امن و سکون کے ساتھ خوشگوار زندگی گذارتے رہتے۔

اور اے معاویہ! — (اگر لوگ خدا و رسولؐ کے احکام کی اطاعت کرتے تو) تم جیسے شخص) کو اس حکومت کا سربراہ بننے کا (نہ کبھی موقع ملتا نہ تم اس کی) کبھی توقع کر سکتے تھے۔ (یہ تو انقلابِ زمانہ ہے کہ رسولؐ سے جنگ کرنے والے لوگ اُن کی مسند اور منبر پر حاکم بن بیٹھیں)

لیکن جب مسندِ رسولؐ کو اُس کے مرکزِ حقیقی سے ہٹا دیا گیا، اور اس کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا گیا، تو قریش آپس میں دست و گریباں ہو گئے، اور اس حکومت کی طرف اس طرح جھپٹنے لگے جس طرح بچّے گیند کی طرف لپکتے ہیں، اور اب تم اور تمہارے ساتھی بھی اس کے طلبگار ہو گئے، جبکہ پیغمبرِ اسلامؐ کا ارشاد ہے کہ:

"اگر کوئی قوم بہتر علم رکھنے والوں کو چھوڑ کر قوم کے معاملات دوسروں کے ہاتھ میں دیگی تو ضرور پستی کا شکار ہوگی، یہاں تک کہ وہ اپنی روش کو بدلے اور بہتر علم رکھنے والوں کی طرف رجوع کرے۔"

بنی اسرائیل نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت تھے، جب حضرت ہارونؑ کا ساتھ چھوڑا جو حضرت موسیٰؑ کے بھائی بھی تھے اور خلیفہ و جانشین بھی (تو تباہی کا شکار ہوئے) گوسالہ کی پرستش کرنے لگے اور سامری کی اطاعت کرنے لگے، حالانکہ انھیں معلوم تھا کہ حضرت موسیٰؑ جناب ہارونؑ کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے ہیں۔

اسی طرح امتِ پیغمبرؐ کو بھی معلوم تھا کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

إِنَّهُ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي

(مجھ سے علیؑ کی وہی نسبت و منزلت ہے جو حضرت موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ کی تھی، فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)

اور لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ "غدیرِ خم" کے مقام پر حضرت رسولِ خداؐ نے جنابِ امیرؑ کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے فرمایا تھا کہ (لوگو! یاد رکھو:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهَٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ

"جس کا میں مولا ہوں، اُس کے یہ علیؑ مولا ہیں)

اور حضرت علیؑ کی ولایت و جانشینی کا اعلان فرمانے کے بعد لوگوں کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ اُن لوگوں کو مطلع کردیں جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔

(اب اگر کوئی شخص یہ سوچنے لگے کہ حضرت علیؑ کو جب ان کے حق سے محروم کیا گیا تو انہوں نے طاقت کے ذریعے اُسے حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ ۔ تو اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب حضرت رسولِ خداؐ کے اعلان رسالت کے بعد ایک ایسا وقت آیا کہ پوری قوم نے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا تو، حضرت رسولِ خداؐ مجبوراً پہاڑ کی ایک گھاٹی میں محصور ہو کر رہ گئے تھے (جسے شعبِ ابی طالبؑ کہا جاتا ہے) اور اس خاموشی کی وجہ یہی تھی کہ اس وقت رسولؐ کے پاس ایسے یاور و انصار موجود نہیں تھے جن کو ہمراہ لے جہاد کرتے (اسی طرح جب شبِ ہجرت کفارِ مکہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ آج رات پیغمبرؐ کو قتل کر دینا ہے اور اس کے لئے انہوں نے سازش بھی مکمل کرلی تو) اگر پیغمبرِ اسلامؐ کے پاس ایسا لشکر و اسلحہ موجود ہوتا کہ جنگ

کر سکیں تو آپ کفار سے جنگ کرتے، لیکن چونکہ بے سرو سامانی تھی، اس لئے انہوں نے غار میں چھپ جانا گوارہ کرلیا۔ کیونکہ اس وقت صرف حضرت علیؑ کی ذاتِ گرامی تھی جو پیغمبرؐ کی حفاظت میں جان کی بازی لگائے ہوئے تھے، کوئی اور مدد پر تیار نہ تھا لہٰذا پیغمبرؐ نے مشرکین سے مقابلہ نہیں کیا بلکہ مخفی طور سے شہر چھوڑ دیا)

اسی طرح (جب وفاتِ رسولؐ کے بعد اہلِ مدینہ نے حضرت علیؑ کا ساتھ نہیں دیا تو آپؑ کو بھی مجبوراً اُن حالات پر صبر کرنا پڑا) آپؑ نے پیغمبرِ اسلامؐ کے (اُن) اصحاب کو (جنھیں پیغمبرؐ ساری زندگی علیؑ کے فضائل و مناقب اور خدا اور رسولؐ سے قربت کے بارے میں بتلاتے رہے تھے انھیں) حضرت علیؑ نے توجہ دلائی اپنی مدد کے لئے بلایا لیکن کسی نے آپ کی آواز پر لبیک نہ کہی (سوا ان چند اشخاص کے جو حضرت علیؑ کی خاطر جان تو دے سکتے تھے مگر بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالنے سے قاصر تھے)

تو جس طرح حضرت رسولِ خداؐ کا غار میں جا کر گوشہ نشین ہونا قابلِ اعتراض نہیں ہے اسی طرح حضرت علیؑ کا اپنے گھر میں گوشہ نشین ہونا بھی قابلِ اعتراض نہیں ہے۔

اور اب جبکہ لوگوں کی بے وفائی کے سبب تمہاری حکومت قائم ہو رہی ہے ۔ اور مجھے گوشہ نشین ہونا پڑ رہا ہے، تو میری یہ گوشہ نشینی موردِ الزام نہیں قرار دی جاسکتی۔ (کیونکہ ان تمام مواقع پر حالات تقریباً یکساں ہیں اور قوم کی بے وفائی ہر جگہ نمایاں ہے، مکہ والوں نے بے وفائی کی تو رسولؐ گوشہ نشین ہو گئے اور اس وقت کوفہ کے لوگ بے وفائی کر رہے ہیں تو میں گوشہ نشین ہو رہا ہوں)۔

اور جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کی تمام ہدایات کے باوجود قوم نے حضرت ہارونؑ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اُن کے دشمن بن گئے ۔ اُسی طرح وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد، پیغمبرؐ کی قوم نے حضرت علیؑ کا ساتھ نہیں دیا، حالانکہ حضورؐ نے مسلسل تاکید فرمائی تھی ۔ اور اب یہ حال ہے کہ میرے والد کے شہید ہونے کے بعد لوگ میرا ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔

تو جس طرح حضرت ہارونؑ کی خاموشی اور گوشہ نشینی قابلِ الزام نہیں اُسی طرح مدینہ میں میرے والدِ ماجد کی خاموشی اور گوشہ نشینی قابلِ الزام نہیں ہے ۔

یہ تاریخ کی مثالیں ہیں جو بار بار دہرائی جارہی ہیں (اور پیغمبرِ اسلامؐ کی پیشین گوئی پوری ہورہی ہے جس میں آپؐ نے اصحاب سے بار بار کہا تھا کہ تم لوگ میرے بعد وہی سلوک کروگے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد یہودیوں نے کیا تھا۔

اے لوگو!۔

اگر تم مشرق و مغرب (اور اطرافِ عالم) میں کوئی ایسا شخص تلاش کرو جس کے جد حضرت محمد مصطفیٰؐ تھے اور جس کے والد وصیِ مصطفیٰؐ حضرت علی مرتضیٰؑ تھے، تو میرے اور حسینؑ کے علاوہ تمہیں کوئی اور نہیں مل سکتا۔

(اے لوگو) خدا سے ڈرو اور حقیقت آشکار ہونے کے بعد گمراہی کا راستہ نہ اختیار کرو۔

افسوس ۔ اب ایسا وقت آگیا ہے کہ میں حکومت اِس شخص کے حوالہ کررہا ہوں ـــــ (اِس کے بعد آپؑ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی :

وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ

(اور کیا معلوم، ہوسکتا ہے یہ تمہارے لئے آزمائش اور کچھ مدت کیلئے فائدہ ہو)

دیا و رکھو ـــــ اگر کوئی شخص اپنے حق سے دستبردار ہوجائے تو یہ کوئی اعتراض بات نہیں ہے، البتہ دوسرے کے حق پر زبردستی قبضہ کرلینا عیب و نقص بھی ہے (ظلم و استبداد بھی، اور ہر طرح) قابلِ اعتراض بھی...

سیدھے راستہ پر چلنے والا (آخرت میں) نفع پائے گا اور کجروی اختیار کرنے والا نقصان اٹھائے گا۔

اے بندگانِ خدا! ـــــ اللہ سے ڈرو اور حق کی طرف واپس آجاؤ ـــــ !

لیکن افسوس تم لوگ کب واپس آنے والے ہو؟ ـــــ جبکہ نافرمانی و بے وفائی تم پر غالب آچکی ہے، اور حق کو تسلیم کرنے سے انکار و سرکشی تمہارے رگ و پے میں رچ بس چکی ہے.... اور جس چیز (یعنی امامِ وقت سے وفاداری) سے تم جان چرارہے ہو، اُس پر تمہیں کہاں مجبور کرسکتا ہوں ؟

ـــــ سلام ہو ان پر جو ہدایت کے راستے پر چلیں۔

معاویہ کا بیان ہے کہ: امام حسنؑ نے جب خطبہ ختم کیا تو میری آنکھوں کے سامنے دنیا اندھیر ہوگئی (اور ایسا محسوس ہوا گویا میں ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں خود بخود گرتا جارہا ہوں) اور چاہا کہ اسی وقت حملہ کردوں، لیکن پھر خاموش رہنے میں ہی عافیت نظر آئی (کیونکہ امامؑ نے جو کچھ فرمایا تھا حرف بحرف صحیح تھا۔

آپؑ کی وصیتیں

حضرت امام حسن مجتبٰی علیہ السلام نے اپنی شہادت سے قبل جو وصیتیں فرمائیں ان میں سے ہم یہاں تین وصیتوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے دو وصیتیں آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام سے فرمائی ہیں.

اور ایک وصیت اپنے فرزند جناب قاسمؑ کے نام:

"کلمۃ الامام الحسنؑ" کے حوالہ سے ہم یہاں ان وصیتوں کا ذکر کرتے ہیں:

1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هٰذا ما أوصی به الحسنُ بنُ عليٍّ الی أخیهِ الحسینِ بنِ عليٍّ أوصی أنه : یشهدُ أن لا إلٰهَ إلا اللهُ وحدَهُ لا شریكَ لهُ وأنَّه یعبده حقَّ عبادتِه، لا شریكَ لهُ في الملكِ، ولا وليَّ له من الذلِّ، وأنهُ خَلَقَ كُلَّ شيءٍ فقدَّرهُ تقدیراً وأنه أولی مَن عُبِدَ وأحقُّ مَن حُمِدَ، مَن أطاعه رشَدَ، ومَن عصاه غوی، ومَن تابَ الیهِ اهتدی، فإني أوصیكَ یا حسینُ بمن خلفتُ من أهلي وولدي وأهلِ بیتكَ : أن تصفحَ عن مسیئهم، وتقبلَ من محسنهم وتكونَ لهم خلفاً ووالداً

وأن تدفنني معَ رسولِ اللهِ فإني أحقُّ به، وببیتِه ممن أدخلَ بیتَهُ بغیرِ إذنِه ولا كتابٍ جاءَهم من بعدهِ،

قالَ اللهُ فیما أنزلَه علی نبیّهِ في كتابهِ "یا أیها الذینَ آمنوا لا تدخلوا بیوتَ النبيِّ إلا أن یؤذنَ لكم" فواللهِ ما أذنَ لهم في الدخولِ علیهِ في حیاتهِ بغیرِ إذنهِ، ولا جاءهم الإذن في ذالكَ من بعدِ وفاتهِ، ونحنُ مأذونٌ لنا في التصرفِ فیما ورثناه من بعدهِ فإن أبتْ علیكَ الامرأةُ فأنشدكَ باللهِ وبالقرابةِ التي قرّبَ اللهُ عزّ وجلّ منكَ والرحمِ الماسةِ من رسولِ اللهِ أن لا تهریقَ في محجمةً من دمٍ، حتی نلقی رسولَ اللهِ فنختصمَ الیه ونخبرَ بما كانَ من الناسِ إلینا من بعدهِ.

● - یہ وہ وصیت ہے جو حسنؑ بن علی نے اپنے بھائی حسینؑ بن علیؑ سے کی ہے۔

• میں گواہی دیتا ہوں کہ خداوندِ عالم یک و تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، میں اُسی کی عبادت کرتا ہوں، کائنات میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے نہ کوئی اور نگراں و سرپرست ہے، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور تقدیر معین کی ہے، وہی سزاوارِ عبادت بھی ہے، اور سب سے زیادہ لائقِ حمد بھی۔ جس نے اس کی اطاعت کی وہ ہدایت یافتہ ہے، جس نے نافرمانی کی وہ تباہ ہوا اور جو پھر توبہ کرلے اُسے صراطِ مستقیم نصیب ہو جاتی ہے۔

اے (میرے برادرِ عزیز) حسینؑ۔ میں تمہیں اپنے اہل و عیال اور اہلِ خاندان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ اگر ان سے کوئی کوتاہی سرزد ہو تو انھیں معاف کر دینا، اگر یہ حسن سلوک کریں تو اُن کے نیک سلوک کو قبول کرنا، اور ان لوگوں کے ساتھ میرے)

جانشین اور شفیق باپ کی حیثیت سے لطف و کرم کا سلوک کرنا.
اور جب میرا انتقال ہو جائے تو کوشش کرنا کہ مجھے رسولِ مقبولؐ کی قبرِ مطہر کے پہلو میں دفن کر سکو کیونکہ مجھے اس کا پورا حق حاصل ہے (رسولؐ کی زندگی میں بھی ہم ہی اُن سے سب سے زیادہ قریب تھے حتّیٰ کہ، اُن کے پاس حاضر ہونے کے ہمیں اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

اور قرآن مجید نے ہمیں جو مرتبہ عطا کیا ہے، وہ قیامت تک برقرار رہے گا کیونکہ اُس کے بعد تو کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی (جو ان احکام کو منسوخ کردے)

اور جب خداوندِ عالم نے یہ آیت نازل فرمائی تھی کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ

(اے ایمان والو! جب تک اجازت نہ مل جائے، رسولؐ کے گھر کے اندر نہ جانا) ——— تو رسولِ مقبولؐ کی حیاتِ طیبہ میں کوئی بھی شخص اُن کی اجازت کے بغیر اُن کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا اور نہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد اس سلسلے میں کوئی خاص اجازت آئی ہے۔

(ہاں ـــ البتہ ہم لوگوں کو رسولِ مقبولؐ کی زندگی میں خصوصی اجازت حاصل تھی کہ جب چاہیں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوں) اور رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد بھی ہم لوگوں کو رسولؐ کے وارث ہونے کی حیثیت سے یہ حق حاصل ہے (لہٰذا اسی اجازت کی بنا پر تم مجھے پہلوئے رسولؐ میں دفن کر سکتے ہو)

لیکن اگر وہ خاتون منع کریں، تو تمہیں خدا و رسولؐ کا واسطہ، اور اس قرابت و رشتہ داری کا واسطہ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے، کہ خونریزی کی نوبت نہ آنے دینا (بلکہ صبر کرنا) جب ہم سب لوگ (قیامت میں) حضرت رسولِ مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو ان سے فریاد کریں گے، اور جو کچھ اُمت نے ہمارے ساتھ سلوک کیا ہے اُس کے بارے میں آنحضرتؐ کو بتائیں گے.

﴿۲﴾

يَا أَخِي: إِنِّي أُوصِيكَ بِوَصِيَّةٍ فَاحْفَظْهَا، فَإِذَا أَنَا مِتُّ فَهَيِّئْنِي ثُمَّ وَجِّهْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ، لِأُجَدِّدَ بِهِ عَهْداً، ثُمَّ اصْرِفْنِي إِلَى أُمِّي فَاطِمَةَ، ثُمَّ رُدَّنِي، فَادْفِنِّي بِالْبَقِيعِ، وَاعْلَمْ أَنَّهُ سَيُصِيبُنِي مِنَ الْحُمَيْرَاءِ مَا يَعْلَمُ النَّاسُ صَنِيعَهَا وَعَدَاوَتَهَا لِلهِ وَلِرَسُولِهِ وَعَدَاوَتَهَا لَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ۔

يَا أَخِي: إِنَّ هٰذِهِ آخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ سُقِيتُ فِيهَا السَّمَّ وَلَمْ أُسْقَهُ مِثْلَ مَرَّتِي هٰذِهِ، وَأَنَا مَيِّتٌ مِنْ يَوْمِي، فَإِذَا أَنَا مِتُّ فَادْفِنِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، فَمَا أَحَدٌ أَوْلَى بِقُرْبِهِ مِنِّي، إِلَّا أَنْ تُمْنَعَ مِنْ ذٰلِكَ فَلَا تَسْفِكْ فِيهِ مِحْجَمَةَ دَمٍ۔

يَا أَخِي: إِذَا أَنَا مِتُّ فَغَسِّلْنِي وَحَنِّطْنِي وَاحْمِلْنِي إِلَى جَدِّي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، حَتَّى تُلْحِدَنِي إِلَى جَانِبِهِ، فَإِنْ مُنِعْتَ مِنْ ذٰلِكَ، فَبِحَقِّ جَدِّكَ رَسُولِ اللهِ، وَأَبِيكَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ

وامّكَ فاطمةَ الزّهرا، ان لا تخاصمَ احداً، واردد جنازتي من فورك إلى البقيع، حتى تدفنني مع اُمّي۔

اے برادرِ عزیز! — میری اس وصیت کو یاد رکھنا کہ:

"جب میرا انتقال ہو جائے تو تجہیز تکفین کے بعد میرا جنازہ قبرِ رسولِ مقبولؐ کے پاس لے جانا تاکہ اُن سے تجدیدِ عہد کر لوں، پھر ماں کی لحد کے پاس لے جانا، تاکہ اُن سے بھی رخصت ہو لوں) پھر آخر میں واپس لاکر مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

اور یاد رکھو — "اِن خاتون" کو خدا و رسولؐ اور ہم اہلبیتؑ سے جو دشمنی ہے، جس سے لوگ بھی باخبر ہیں، اس کی بناء پر سب مجھے اُن کی طرف سے مزید اذیت پہونچے گی (وہ مجھے پہلوئے رسولؐ میں دفن ہونے سے روکیں گی، لہٰذا تم اس اذیت پر بھی صبر کرنا۔)

(اے برادرِ عزیز —!

اب تھوڑی دیر کے بعد میں دُنیا سے رخصت ہونے والا ہوں) مجھے تین بار زہر دیا جا چکا ہے اور آج جو زہر دیا گیا ہے وہ آخری ہے کیونکہ اس سے قبل جو زہر دیا گیا تھا وہ اِس سے مختلف تھا، (لیکن آج کا زہر جاں لیوا ثابت ہوگا) اور میں آج ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

(کوشش کرنا کہ) مجھے قبرِ رسولؐ کے پہلو میں دفن کر سکو، کیونکہ رسولؐ کے سب سے زیادہ قریبی عزیز تو ہم ہی ہیں۔

لیکن اگر اس سلسلے مزاحمت کی جائے تو (صبر کرنا اور) خونریزی کی نوبت نہ آنے دینا۔

اے برادرِ عزیز!

جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے غسل دینا، حنوط ملنا، کفن پہنانا، اور میرا جنازہ قبرِ رسولؐ کے پاس لے جانا (تاکہ نمازِ جنازہ کے بعد) وہیں دفن کر سکو، لیکن اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ ڈالے تو تمہیں نانا رسولِ خدا، بابا علی مرتضیٰؑ اور ماں فاطمہ زہرا کا واسطہ ہے کہ کسی سے مخاصمت مول نہ لینا، اور میرا جنازہ جنت البقیع لے جاکر مادرِ گرامی کی قبرِ مبارک کے پہلو میں دفن کر دینا۔

اپنے فرزند جنابِ قاسمؑ کے نام وصیّت

مورّخین کا بیان ہے کہ:

حضرت امام حسن مجتبیٰؑ نے اپنے کمسن فرزند جنابِ قاسمؑ کے بازو پر ایک تعویذ باندھا، اور فرمایا کہ

جب کسی رنج و غم اور مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہونا تو اسے کھول پڑھ لینا، اور اس کے مطابق عمل کرنا۔

جنابِ قاسمؑ بن حسنؑ نے کربلا کے میدان میں، عاشور کے دن، اُس تعویذ کو کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

يَا وَلَدِي يَا قَاسِم! أُوصِيكَ: أَنَّكَ إِذَا رَأَيْتَ عَمَّكَ الْحُسَيْنَ فِي كَرْبَلَاءَ وَقَدْ أَحَاطَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ، فَلَا تَتْرُكِ الْبِرَازَ وَالْجِهَادَ لِأَعْدَاءِ اللّٰهِ وَأَعْدَاءِ رَسُولِهِ، وَلَا تَبْخَلْ عَلَيْهِ بِرُوحِكَ، وَكُلَّمَا نَهَاكَ عَنِ الْبِرَازِ عَاوِدْهُ لِيَأْذَنَ لَكَ فِي الْبِرَازِ، لِتَحْظَى فِي السَّعَادَةِ الْأَبَدِيَّةِ.

اے میرے نورِ نظر قاسمؑ — ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ جب تم کربلا کے میدان میں اپنے عم محترم (امام حسینؑ) کو اس عالم میں دیکھنا کہ وہ ہر طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں تو خدا و رسولؐ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا، پامردی کے ساتھ جہاد میں حصہ لینا، اور اپنی جان اپنے چچا پر قربان کرنا۔

اور اگر وہ تمہیں میدانِ جنگ میں جانے سے روکیں تو بار بار التماس کرنا یہاں تک کہ وہ تمہیں اجازت دے دیں؛ تاکہ تم بھی جہاد میں شریک ہو کر اپنی جان راہِ خدا میں نثار کر سکو، اور ابدی سعادت حاصل کرو۔

طالب دعا
سید نذر عباس النقوی
25 جولائی 2009
راولپنڈی

تاریخ کربلا

مؤلف

الحاج ایوب نقوی مصطفےٰ آبادی

عصمۃ پبلیکیشنز
پی-او باکس نمبر:- 18168
کراچی 74700 پاکستان

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہؑ

پاکستان

۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزماں ادرکنیؑ

DVD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL